جلد (۹) عدد (۱)

رجب المرجب ۱۳۵۵ھ

رجسٹر نمبر آصفیہ ۱۲۰

رجسٹر نمبر ایم ۲۹۵۰

۷۸۶

ماہنامہ

ترجمان القرآن

علوم قرآنی و حقائق فرقانی کا ذخیرہ

مرتبہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی

قیمت سالانہ (صہ)

قیمت فی پرچہ (۸ر)

الجہاد فی الاسلام

(تالیف)

ابو الاعلیٰ مودودی

اسلام کے جن مسائل پر مخالفین نے سب سے زیادہ حملے کئے ہیں ان میں سے ایک مسئلہ جہاد بھی ہے اس مسئلہ پر ایسی شدومد کے ساتھ اعتراضات کیے گئے کہ بہت سے مسلمان بھی ان سے مرعوب ہوگئے اور انہوں نے دشمنوں کے اعتراضات کو رفع کرنے کے لیے خود اسلام کے احکام اور اس کی تعلیمات میں قطع و برید شروع کردی! اسلام کے حامیوں کی جانب سے اس مسئلہ پر جو کچھ لکھا گیا وہ سب معذرت Apology کے انداز میں تھا جس سے صریح کمزوری اور مرعوبیت ظاہر ہوتی تھی۔ مولانا شبلی مرحوم اور مولانا ابو الکلام آزاد نے البتہ اس مسئلہ کو صاف کرنے کی کوشش کی مگر پورا پورا حق ان کی تحریروں سے بھی ظاہر نہیں ہوا۔ ضرورت تھی کہ ایک مفصل کتاب اس موضوع پر لکھی جاتی جس میں جنگ کے متعلق اسلام کی تعلیم اور اس کے مقاصد اور احکام کو تفصیل کے ساتھ صاف صاف بیان کر دیا جاتا، اور دوسرے مذاہب اور قوموں کے اصول و قوانین جنگ سے مقابلہ کرکے ثابت کیا جاتا کہ اسلام کا جہاد اپنے مقاصد اور قواعد و ضوابط کے لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتا ہے۔

الجہاد فی الاسلام نے اسی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ یہ کتاب معذرت کے انداز میں نہیں بلکہ اظہار حق کے انداز میں لکھی گئی ہے اور ضمناً اس میں ہندو مذہب، بودھ مت، مسیحیت، یہودیت اور قانون بین الاقوام International law پر ایسے مباحث بھی آگئے ہیں جو ابھی تک اردو زبان کے لیے بالکل نئے ہیں عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ اس موضوع پر ایسی کوئی کتاب صرف اردو بلکہ کسی مشرقی یا مغربی زبان میں نہیں لکھی گئی۔

ضخامت ۵۰۰ صفحات قیمت [illegible] جلد ([illegible]) انگریزی ([illegible]) سکہ عثمانیہ (مجلد کی قیمت [illegible] انگریزی [illegible] سکہ عثمانیہ!

دفتر ترجمان القرآن سے طلب فرمائیے (یہ کتاب مکتبہ علمیہ چارمینار سے بھی مل سکتی ہے)

فہرست مضامین

ماہ رجب ۱۳۵۵ھ جلد (۹، عدد (۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

ماہ جمادی الاخریٰ کا پرچہ شائع ہوجانے کے بعد مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی کے اخبار "صدق" میں جناب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا ایک مکتوب گرامی نظر سے گذرا جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

"محب مکرم جناب سید سلیمان ندوی نے ایک مطبوعہ تحریر میرے پاس بھیجی ہے جس میں علامہ شبلی کی ایک آخری تحریر کا حوالہ ہے۔ اس کو پڑھ کر میری مسرت کی انتہا نہیں رہی۔ کیونکہ ان کی بعض تصانیف کو دیکھ کر میں خود اضطراب میں تھا۔ اور بعض عبارات کی تسکین بخش توجیہ بن نہ پڑتی تھی۔ اب جبکہ وہ اپنی تحریر میں صاف لکھ رہے ہیں کہ میرے یہ عقائد ہرگز نہیں بلکہ عقیدۃً و فقہاً میں اہل السنت والجماعت سے ہوں اور جو کچھ الکلام میں لکھا ہے محض دوسروں کے خیالات بحثاً نقل کیے گئے ہیں، تو ہم کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ہم خواہی نخواہی اس کی تکذیب کریں۔ اس کے اعلان کے بعد کم از کم مجھ کو ان کے متعلق فتویٰ تکفیر سے بالکل علٰحدہ سمجھا جائے"۔ افسوس ہے کہ یہ آخری تحریر بہت دیر کے بعد دیکھنے میں آئی میرے نزدیک ضروری ہے کہ اس تحریر کی اشاعت اسی قدر اہتمام اور کثرت سے کی جائے جیسے الکلام وغیرہ کی ہو چکی ہے۔ کیونکہ ان کتابوں کو پڑھ کر یقیناً آدمی مغلطہ میں پڑ جاتا ہے جس کے ضرر سے بچانا نہایت ضروری ہے۔ یہ آخری تحریر تو شائد بہت ہی کم لوگوں نے دیکھی ہوگی مجھے اپنے تجربہ سے معلوم ہے کہ لوگ ان کے عقائد وہی قرار دیتے ہیں جو ان کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور وہ

ایسا قرار دیتے ہیں ایک حد تک معذور بھی ہیں کیونکہ متعدد عبارات کا نسق اس پر دال ہے بہر حال جب ایک شخص اپنی عمر کے اخیر لمحات میں ان خیالات سے تبری کرتا ہے تو ہم کو اس کا اعتبار کرنا چاہیے۔ تکذیب و انکار کی کوئی وجہ نہیں"۔

مولانا کی یہ تحریر دیکھ کر ہم کو بھی مسرت ہوئی۔ ایک متقی اور نیک نیت عالم دین سے جس طرز عمل کی توقع کی جاتی ہے، الحمد للہ کہ مولانا نے بالآخر وہی طرز عمل اختیار کیا، اور اس پر وہ تبریک و تحسین کے مستحق ہیں ہم کو ان کی نیت میں کبھی شبہہ نہ تھا۔ شکایت جو کچھ بھی وہ عدم احتیاط کی تھی ان کے مرتبہ و فضل و کمال، اُن کے احساس ذمہ داری، اور ان کی محتاط روش کو دیکھتے ہوئے ہم کو یہ توقع نہ تھی کہ تکفیر مسلم جیسے امر خطیر میں ان جیسے بزرگ سے بھی وہی بے احتیاطی ظہور میں آئے گی جس کو بعض بدنام کنندگان علم و اہل علم نے اپنا شیوہ بنا رکھا ہے۔ یہی چیز موجب شکایت تھی۔ اور شکایت کا مقصود بھی نصیحت اور تذکیر تھا نہ کہ تشنیع و تحقیر۔ الحمد للہ کہ وہ مقصود حاصل ہو گیا، اور اب ہم کھلے دل کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ اگر اس بحث کے دوران میں کسی جگہ ہم نے حق و انصاف کی صراط مستقیم سے تجاوز کیا ہو اور مولانا کو اس سے رنج پہونچا ہو تو وہ ہم کو معاف فرمائیں غلطی ہر انسان سے ہوتی ہے ٹھیک ٹھیک مسلک حق پر چلنا اور راہ اعتدال سے یک سر مو تجاوز نہ کرنا کمزور انسان کے بس کی بات نہیں لیکن بہت کمزور ہے وہ انسان جو حق سے پھر جانے کے بعد حق کی طرف پلٹ آنے کی قوت نہیں رکھتا۔ اور بہت طاقت ور ہے وہ انسان جو اپنی کمزوری کا احساس رکھتا ہے، اور اپنے آپ کو خطا سے مبرا نہیں سمجھتا، اور خطا پر تنبہ ہونے اور اس سے رجوع کرنے کی قوت رکھتا ہے۔

اس سے پہلے "معارف" اور "صدق" اور بعض دوسرے معاصرین میں یہ اطلاع نظر سے گذری تھی کہ جناب مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے بھی مولانا حمید الدین فراہی اور علامہ شبلی رحمہما اللہ کی تکفیر سے رجوع فرما لیا ہے اسی زمانہ میں مولانا ممدوح کے ایک عنایت نامہ سے یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے "الایضاح" کے عنوان

سے ایک تحریر لکھی ہے جس میں دونوں اصحاب اور مدرسۃ الاصلاح کے متعلق ان کے خیالات کی توضیح ہے۔ اب تک ہم نے ان صفحات میں مولانا کے رجوع کا تذکرہ اسی لیے نہیں کیا تھا کہ ہمیں "الایضاح" کا انتظار تھا۔ اب ایک دوست کی عنایت سے اس کی نقل ہمارے پاس آگئی ہے۔ ہم نے اس کو بغور دیکھا اگرچہ اس میں متعدد باتیں محل کلام ہیں لیکن ہم اس بحث کو طول دینا مناسب نہیں سمجھتے۔ بہرحال یہی بہت غنیمت ہے کہ مولانا نے دونوں مرحومین کی تکفیر سے رجوع فرمالیا۔ رہا مدرسۃ الاصلاح تو اس کے متعلق مولانا کی رائے دیکھ کر ہم کو کچھ تنگ دلی کی بو آئی۔ اللہ ان کو اتنی وسعت قلب عطا فرمائے کہ وہ اپنے مشرب سے جزوی اختلاف رکھنے والوں کے لیے بھی دائرۂ اسلام کے اندر جینے کا حق تسلیم فرمالیں۔

خدا خدا کرکے ایک فتنۂ تکفیر ختم ہوا تھا کہ اب دوسرا فتنۂ تکفیر اٹھتا نظر آتا ہے۔ کچھ مدت ہوئی کہ ہمارے پاس ورنگل (دکن) سے ایک استفتاء آیا تھا جس میں ایک شخص "زید" کے متعلق لکھا تھا کہ اس نے اپنی تصنیفات میں ایسا اور ایسا لکھا ہے، اس کے ان اقوال کے متعلق کیا ارشاد ہے اور خود اس شخص کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ ہم کو یاد پڑتا ہے کہ جواب میں ہم نے فتویٰ لکھنے سے تو اس بنا پر معافی چاہی تھی کہ ہم کو منصب افتا حاصل نہیں ہے، اور نہ اس کی اہلیت ہے۔ اس کے ساتھ نفس مسئلہ کے متعلق یہ لکھا تھا کہ براہ کرم ایک اور فتنۂ تکفیر کھڑا نہ کریں۔ اگر استفتاء کے جواب میں کوئی تکفیر کا فتویٰ مل جائے تو اسے شائع کرنے سے احتراز مناسب ہے لیکن چند روز بعد مستفتی صاحبان کی جانب سے ایک اور خط آیا جس میں ہمارے ایک نہایت محترم بزرگ کے فتوے کی نقل تھی۔ توقع کے خلاف ہم نے دیکھا کہ فاضل موصوف نے بھی ایک وسیع النظر عالم دین ہونے کے باوجود وہی خلاف احتیاط طریقہ اختیار کیا جس کی خود ان کو اس سے پہلے دوسرے علماء سے شکایت تھی جب ان جیسے شخص سے یہ طرز عمل ظہور میں آیا تو نہ معلوم دوسرے حضرات کس کس قسم کے فتوے تحریر فرمائیں گے اور ان کی اشاعت سے کیسے بُرے نتائج ظاہر ہونگے

یہی اندیشہ ہے جس کی بنا پر آج پھر ہم تکفیر کے مسئلہ میں چند اصولی باتیں بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

سب سے پہلے تو ہم تمام علمائے کرام کی خدمت میں یہ عرض کریں گے کہ عقائد کے باب میں جو استفتاء فرضی ناموں کے ساتھ کئے جائیں اور جن میں مصنف کی اصل عبارتیں بے کم وکاست نہ پیش کی گئی ہوں ان پر فتویٰ دینا سخت نامناسب ہے۔ فرضی نام دو حال سے خالی نہیں ہو سکتا۔ یا تو اس کے پردہ میں کوئی شخص معین ہوگا، یا کوئی شخص نہ ہوگا اور صورت مسئلہ محض مستفتی کی طبع زاد ہوگی۔ اگر دوسری صورت ہے تو یہ استفتاء اسی قسم کے سوالات میں شمار ہوگا جن کو حدیث نبوی میں مکروہ ٹھیرایا گیا ہے، اور جن کی طرف توجہ کرنے سے صحابہ اور سلف صالحین نے ہمیشہ احتراز فرمایا ہے۔ اور اگر پہلی صورت ہے تو ایک مجہول الحال شخص کے حق میں محض سائل کے اعتماد پر فتویٰ دینا یقیناً ظلم ہے مفتی کا فرض ہے کہ ایسے استفتاء کا جواب دینے سے پہلے اس شخص کا نام معلوم کرے اس کی اصل تحریروں کو پڑھے، اس کی عملی زندگی پر نظر ڈالے، اور خود اس سے یا اس کے ہم مشرب لوگوں سے دریافت کرے کہ ان کے پاس ان اقوال کی کیا تاویل ہے۔ اگر وہ اتنی فرصت رکھتا ہے اور اتنی محنت گوارا کر سکتا ہے تو فتویٰ لکھے ورنہ فتویٰ نوشتن چہ ضرور۔

تکفیر کی مثال ایسی ہے جیسے آپ اپنے جسم کا کوئی عضو کاٹ کر پھینک دیں ظاہر ہے کہ کوئی شخص یہ کام اس وقت تک نہ کریگا جب تک کہ علاج سے قطعی مایوسی نہ ہو جائے، تمام دوائیں استعمال کی جا چکی ہوں اور ناکام ثابت ہوئی ہوں، عضو اتنا سڑ گیا ہو کہ نہ صرف اس کے درست ہونے کی کوئی امید نہ رہی ہو بلکہ اندیشہ یہ ہو کہ اس کا زہر جسم کے صحیح و سالم اعضاء کو بھی خراب کر دے گا۔ ایسی حالت میں انسان مجبوری اس پر راضی ہوتا ہے کہ وہ عضو کاٹ ڈالا جائے اور پھر بھی اس پر خوش نہیں ہوتا بلکہ تمام عمر افسوس کرتا رہتا ہے ایسی ہی مثال جماعت کے کسی بگڑے ہوئے شخص یا گروہ کی ہے۔ وہ جسم اسلام کا ایک عضو ہے۔ اگر کسی وجہ سے وہ ماؤف ہو گیا ہے تو اس کے مرض کی تشخیص کیجیے، اس کے اسباب معلوم کیجیے جہاں تک ممکن ہو

حکمت اور دانائی کے ساتھ ان اسباب کو دور کیجیے۔ غصہ اور نفرت کے بجائے ہمدردی اور شفقت کے ساتھ اس کا علاج کیجیے۔ اگر خدانخواستہ یہ سب تدبیریں ناکام ہو جائیں تو اس کے زہر سے جماعت کے دوسرے حصوں کو بچانے کی تمام وہ تدبیریں اختیار کیجیے جو اس عضو ماؤف کو کاٹ پھینکنے کے سوا ممکن ہوں۔ جب ان میں بھی ناکامی ہو، تب محض ایک آخری چارۂ کار کے طور پر آپ تکفیر کا آپریشن کر سکتے ہیں۔ مگر یہ کیسا ظلم ہے کہ آپ خود اپنے جسم کا تو ایک رتی برابر حصہ بھی انتہائی مجبوری کے بغیر کاٹنے پر راضی نہ ہوں، اور جسم اسلامی کے ساتھ آپ کی بے دردی کا یہ حال ہو کہ اس کے کسی بڑے سے بڑے حصے کو بھی کاٹ پھینکنے میں تامل نہ ہو۔ وہاں یہ احتیاط کہ مہینوں ڈاکٹروں اور طبیبوں کے پاس چکر کاٹ رہے ہیں، دواؤں پر دوائیں استعمال کر رہے ہیں، آخر وقت تک یہ کوشش ہے کہ آپریشن کی نوبت نہ آنے پائے۔ اور یہاں یہ بے احتیاطی کہ جہاں کسی عضو کے ماؤف ہونے کی اطلاع ملی اور بے تکلف اس کو جسم اسلام سے کاٹ کر پھینک دیا۔ تشخیص مرض اور علاج کی کاوش درکنار، پوری طرح یہ بھی تحقیق نہیں کیا جاتا کہ اگر وہ ماؤف ہے تو درحقیقت کس حد تک ماؤف ہے، اور آیا ماؤف ہونے کے باوجود اس کے لیے جسم اسلام میں کوئی جگہ باقی رہ سکتی ہے یا نہیں۔

جو شخص علانیہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دے، یا مسلمان ہو اور پھر کھلے طور پر اسلام سے منکر ہو جائے اس کا معاملہ تو بالکل صاف ہے، کوئی پیچیدگی ہی نہیں جس کو حل کرنے کی ضرورت ہو لیکن ایسے شخص کے کفر و ایمان کا فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو، مسلمان رہنا چاہتا ہو، اسلام سے نکلنے پر راضی نہ ہو، اور پھر اس کے اقوال یا اعمال یا دونوں میں کوئی چیز ایسی نظر آتی ہو جو اصول اسلام کے خلاف ہو۔ اس سے بھی زیادہ پیچیدہ مسئلہ اس شخص کا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کی تائید و حمایت میں سرگرمی کا اظہار کرتا ہو اور اس کے بعض اقوال و اعمال بالکل اصول اسلام کے مطابق ہوں، مگر بعض امور میں وہ اسلام کی صراط مستقیم سے ہٹا ہوا نظر آئے۔ ان دونوں قسم کے لوگوں کو مجرد ظہور خلاف کے ساتھ ہی کافر ٹھیرا دینا سخت غلطی ہے۔ اس کی یہ روش بہرحال دو وجوہ میں سے کسی ایک وجہ پر مبنی ہوگی۔ یا تو وہ منافق ہوگا، یا نیک نیتی کے ساتھ کسی ایسی چیز کو اسلام سمجھ رہا ہوگا جو درحقیقت اسلام نہیں ہے

اگر پہلی صورت ہے تو قرآن مجید میں منافقین کی اقسام اور ہر قسم کے منافق کی علامات، اور اس کے درجۂ نفاق کے لحاظ سے معاملہ کرنے کا طریقہ صراحت کے ساتھ بیان کر دئے گئے ہیں آپ تحقیق کیجیے کہ آیا اس میں کسی درجۂ نفاق کی علامات پائی جاتی ہیں یا نہیں اور جب کوئی درجہ متحقق ہو جائے تو اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کیجیے جیسا اس درجہ کے منافق کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تجویز کیا، اور اللہ کے رسول نے اختیار کیا ہے۔ اور اگر دوسری صورت ہے تو اس کا یہ فعل کہ وہ غیر اسلام نہیں بلکہ عین اسلام ہی سمجھ کر کوئی بات کہتا ہے خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی نیت کفر کی نہیں ہے بلکہ وہ مسلمان رہنا چاہتا ہے۔ پھر اس کو نکال پھینکنے میں آپ کیوں اس قدر جلدی کرتے ہیں پہلے تحقیق کیجیے کہ اس کے اس غلط فہمی میں مبتلا ہونے کی وجہ کیا ہے؟ یہ چیز اس میں کہاں سے آئی؟ اور کیوں اس نے ایسی چیز کو اختیار کیا؟ اس کے اقوال و اعمال پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالیے، خود اس سے تبادلۂ خیال کیجیے، اس کی نفسیات کو سمجھنے کی کوشش کیجیے، بہت ممکن ہے کہ بعض ظاہری چیزوں کو دیکھ کر آپ خود ہی اس کے متعلق غلط فہمی میں پڑ گئے ہوں، اور جو کچھ دور سے آپ کو غیر اسلام نظر آیا تھا وہ دراصل اسلام ہی ہو۔ اگر تحقیق سے یہ بات کھل جائے تو فوراً دوڑ کر اسے گلے لگائیے، اور اللہ سے استغفار کیجیے کہ آپ نے ایک مسلمان پر بدگمانی کی۔ اور اگر ثابت ہو کہ دراصل سمجھ کے پھیر نے اس کو فی الواقع غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے تو اس کو سمجھائیے جس طرف سے اس کے دماغ میں غلط فہمی پہنچی ہے اسی طرف سے فہم صحیح اس کے اندر پہنچانے کی کوشش کیجیے جن شکوک و شبہات نے اسے مرکز اسلام سے دور ہٹا دیا ہے ان کی اصل کو سمجھ کر حکمت و دانائی کے ساتھ رفع کیجیے۔ کامیابی ہو جائے تو وہ عذاب سے بچا اور آپ ثواب کے مستحق ہو گئے۔ کامیابی نہ ہو تو سارے معاملہ پر پھر ایک تحقیق کی نظر ڈالیے۔ اگر وہ اپنے اقوال و افعال کی کوئی ایسی بعید سے بعید تاویل بھی کرتا ہو جس کے لیے قرآن و سنت کے الفاظ و معانی میں گنجائش نکل سکتی ہو تو اس کی تکفیر نہ کیجیے۔ اس کی سمیت اتنی بڑھی ہوئی نہیں ہے کہ کاٹ پھینکا جائے۔ اسلامی جماعت کو اس کے زہر سے بچانے کے لیے صرف اس قدر کافی ہے کہ نہایت واضح دلائل کے ساتھ اس کی گمراہی ثابت کر دی جائے اور مسلمانوں کو عام طور پر اس سے آگاہ کر دیا جائے۔ البتہ اگر اس کے پاس کوئی ایسی تاویل بھی نہ ہو اور وہ اصول اسلام میں سے بعض کو یا کسی ایک کو اعتقاداً و عملاً بالکل ساقط کر دے تو مجبوراً اس کے کافر ہونے کا فیصلہ کیجیے۔ اور ایسا فیصلہ کرتے وقت بھی خدا سے ڈرتے رہیے کہ کہیں آپ کسی ایسے شخص کو کافر نہ قرار دے بیٹھیں جو دراصل مسلم ہو۔

ان مراتب پر جب آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ تکفیر کا مرتبہ کس قدر بعید ہے، اور اس تک پہنچنے سے پہلے غور و تحقیق اور سعی و محنت اور دلسوزی و جگر کاوی کے کتنے مراحل طے کرنے پڑتے ہیں۔ پھر جب ان سب مرحلوں میں ناکام ہونے کے بعد تکفیر کی نوبت آتی ہے، تب بھی وہ اس قابل نہیں ہوتی کہ کسی مسلمان کو اس پر انشراح اور انبساط ہو۔ ایک مومن متقی تو اس آخری مرتبہ میں بھی تکفیر کا فیصلہ کرتے وقت ڈرتا ہے، جھجکتا ہے، چاہتا ہے کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا بہانا ہی ایسا مل جائے جس سے خدا کے ایک بندے کو اسلام سے خارج کرنے کی نوبت نہ آئے۔ اور جب کوئی بہانا بھی نہیں ملتا تو بادل ناخواستہ اس کا فیصلہ کرتا ہے، اور اس کے بعد بھی ہمیشہ اس کی یہ خواہش رہتی ہے کہ اس بچھڑے ہوئے شخص کو پھر دائرۂ اسلام میں لانے کا کوئی موقع مل جائے۔

مگر یہاں کیا حال ہے؟ اُدھر رپورٹ آئی کہ زید ایسا اور ایسا کہتا ہے، اور اِدھر دین اسلام کے مجسٹریٹ نے بیک نظر اس کو دیکھتے ہی یکطرفہ تجویز لکھ دی کہ وہ کافر ہوگیا۔ نہ ملزم کی طرف سے صفائی، نہ مقدمہ کی تحقیق و تفتیش، نہ اصلاح کی کوئی کوشش، نہ فرد جرم اور تجویز سزا میں تناسب کا کوئی لحاظ۔ پھر اس پر فتویٰ لکھنے میں وہ زور اور جوش کہ گویا ایک بندۂ خدا کو کافر ٹھیرانے میں بڑا انبساط نصیب ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب غریب ملزم کی طرف سے صفائی پیش ہوتی ہے تو ہزار تامل کے ساتھ، ہزاروں قسم کے تحفظات اور شرطوں کے ساتھ بادل ناخواستہ اس کو کسی حد تک قبول کیا جاتا ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جی تو اب بھی چھوڑنے کو نہ چاہتا تھا، مگر چونکہ صفائی کی شہادت نے برارت کا فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا، اس لیے چھوڑ تو دیا ہے، لیکن طبیعت کا انقباض ابھی باقی ہے۔ ہماری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیسا تقویٰ ہے۔ اور کیسی محبت اسلام ہے!

مقالات

مسئلہ سود پر ایک معاشی نظر

از

جناب مولٰنا مناظر احسن صاحب گیلانی

(حرمت سود کو ذہن نشین کرانے کے لیے چند تمہیدی اشارات کے بعد مسئلہ کو شروع کیا گیا ہے)

دماغی نہیں، بلکہ الٰہی پیغام لانے والے نفوس مجتبات صلوات اللہ علیہم وسلام نے عموماً اور ان کے آخری مصدق[1] صادق، اسی برگزیدہ جماعت کے امام وخاتم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصاً کیا نہیں فرمایا، اور فطرت بشری اس سے کہاں تک اعراض کر سکتی تھی۔

انہوں نے فرمایا کہ:۔

انسان کائنات ومخلوقات[2] کے لیے نہیں ہے۔

---

[1] نبوت محمدی کو عالم کی دوسری نبوتوں سے تردید وتکذیب کی نہیں بلکہ تصدیق کی نسبت ہے اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسلام کسی مذہب کو باطل کرنے کے لیے نہیں آیا بلکہ پیغمبروں کے پیغام میں انسانی تصرفات نے جو آمیزش کر دی تھی اس کی تہذیب وتصحیح ہی اسلام کا بڑا مقصد ہے ۱۲

[2] بتوں کو صفات الٰہیہ کے تمثیلی مجسمات قرار دینا، یا "نادیدہ" کی "نمایندگی" کے لیے "دیدہ" کو سامنے رکھنا یہ تمام توجیہات کیا ہیں، وہی عرق شرمساری ہے جو مخلوقات کی عبادت کی وجہ سے انسان اپنی پیشانی پر محسوس کرتا ہے، اور ان بارد توجیہوں سے پونچھنا چاہتا ہے ورنہ سچ یہ ہے کہ اگر گھوڑے کے فوٹو کو دیکھ کر سانپ کا خیال جانا ممکن نہیں ہے تو اسی طرح کیا بے مثل کو تمثیلی صورتوں کے ذریعہ سے سوچنا اس سے زیادہ لایعنی نہیں ہے، بتوں سے بت تراش کا خیال صنعتی تعلق سے ذہن میں آسکتا ہے، پھر خدا کو سوچنے کے لیے کیا اس کے مصنوعات کافی نہیں، آیات اللہ سے اللہ کی یاد بلاشبہ ممکن ہے اور اسی کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ ۱۲

پھر دیکھو کہ نسل آدم میں اب ایسا کون ہے جو مخلوق کے پوجنے سے نہیں شرماتا؟ سماجی روک اگر اٹھا دی جائے تو کیا لوگوں کے ظاہر پر بھی وہی ندامت نہیں چھا جائے گی جو باطن میں ہل چل ڈالے ہوئے ہے؟ ورنہ تاویلوں اور توجیہوں کی ٹٹیاں مختلف شکلوں میں بنا بنا کر کیوں کھڑی کی جاتی ہیں؟ وَالقصۃ بطولہا۔

انہوں نے فرمایا کہ:-

انسان کائنات کے لیے نہیں بلکہ کائنات ہی انسان کے لیے ہے[۱]۔

پھر اب بھی کوئی ان راہوں پر چلتا ہے جو رہبانیت کے صومعوں، اور جوگیت کی کٹیوں تک جاتی تھیں؟ اب ان میں کون ہے جو کپڑوں سے بیزار ہو؟ روٹی سے چڑتا ہو؟ پانی سے گھبراتا ہو؟ بلکہ جسد عنصری سے تنگ آکر مادہ سے گلوخلاصی حاصل کرنے کے لیے سورگ سیڑھی کی تلاش میں ہمالیہ کے برفستانوں کو ڈھونڈھتا ہو؟ ابتدائی طریقے ختم ہو گئے۔ اختراعی پگڈنڈیوں کو بنی آدم نے آخر اپنے ہی ہاتھوں سے ڈھا دیا۔ اور خدا (کسی کے محاورہ میں "قدرت" کے ہاتھ نے جو راہ نہیں بتائی تھی اس کی تعمیر کا کون ذمہ دار ہو سکتا تھا؟ مٹنے والوں کے ساتھ ان کی راہیں بھی مٹ گئیں، "وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِلّٰہِ"۔

ان کو شک اب صرف اس میں ہے کہ "میں کس لیے ہوں"؟ یا انسان کس لیے ہے؟ یہی تو دیکھنا ہے کہ بے نتیجہ زندگی گذارنے والوں کی محسن کشانہ سرکشی اپنے مالک کے آستانے سے کب تک باقی رہتی ہے؟ زندگی انجام سے کب تک بے تعلق رہے گی؟ کب تک آنکھیں بند رکھیں گے؟ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی۔ (کیا انسان یہ خیال پکاتا ہے کہ وہ بے نتیجہ بنا کر چھوڑ دیا گیا؟ کج انعام کو کب تک نہیں سمجھیں گے؟ آخر اس کائنات کے کسی ذرہ کے لیے بھی انسان اپنے کو نہیں ثابت کر سکتا

[۱] قرآن مجید کے تقریباً ہر صفحہ میں اس کی تعلیم موجود ہے جس کا خلاصہ آیۃ ھو الذی سخر لکم السموٰت والارض جمیعاً (وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں سب کو تمہارے لیے ہموار کر دیا) میں کیا گیا ہے، اسی تعلیم کی طرف اشارہ ہے۔

تو بتایا جائے کہ 'مساعت ہستی ہیں وہ کیوں شریک کیا گیا خیر مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں، میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جتنا انکار کیا گیا اس سے زیادہ اور بہت زیادہ اقرار کیا گیا ہے، اور کیا جا رہا ہے۔

ذاتی حقوق | رسل علیہم السلام نے ہم پر ہمارے ذاتی حقوق قائم کیے۔ مگر کیا مضرتوں سے بچنا، مفید چیزوں کو حاصل کرنا ہماری فطرت کا ایک سچا احساس نہیں ہے؟ ہم اس کو جنگلی خیال کرتے ہیں جو نجاستوں اور ناپاکیوں سے اپنے لباس اور بدن کو محفوظ نہیں رکھتا، صفائی اور طہارت کے اصول سے ناآشنا ہے، کھانے پینے کے حدود کی پابندیوں سے گھبراتا ہے۔ کیا اس کے دماغ کی سلامتی پر تم بھروسہ کرتے ہو؟ اسی لیے تو پیغمبروں نے زیادہ زور کھانے پینے کی چیزوں کے متعلق دیا، حلال و حرام کی جتنی لمبی فہرست مذہب نے پیش کی ہے، تمہیں اور بھی کہیں اس کی نظیر نظر آتی ہے؟ کیا شراب کی خوبیوں پر انسان کا اصرار باقی ہے؟ مردار خواری سے اب کون نادم نہیں ہے؟ سانپ بچھو، کتے بلی درندوں کے گوشت میں کس کے کام و دہن کے لیے لذت باقی ہے؟ لحم خنزیر کے متعلق نادانوں کو دانایان طب[1] کیا سمجھا رہے ہیں؟ ان میں شراب ہی کو مدت تک کس نے سمجھا تھا جو تم کو اس زہریلے گوشت کے نہ سمجھنے کے متعلق اچنبھا ہوتا ہے؟ لیکن یقین کرو کہ اب تک جہاں سیکڑوں انکار دفن ہوئے ہیں۔ اس کو بھی سپرد خاک ہونا پڑے گا۔ خودکشی کے جرم ہونے کا جو اقرار کر چکے ہیں، کیا پوچھتے ہو کہ ان کو آگے کیا کچھ اقرار کرنا پڑے گا ہر وہ چیز جس سے انسان کی بیرونی یا اندرونی قوتوں یا نعمتوں پر زد پڑتی ہو اس کو چھوڑ دینا چاہیے، اس کلیہ کو جس نے تسلیم کر لیا ہے، جزئیات کے متعلق وہ کب تک شک

---

[1] ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس کے گوشت میں ٹینی سولم کیڑے کے انڈے ہوتے ہیں اور جسم انسانی میں جا کر سخت خاردار کیڑوں کی شکل میں معدہ کے عضلات اور آنکھوں میں گھس جاتے ہیں لیکن لوگوں کو کیا معلوم کہ اس جسمانی نقصان کے علاوہ دماغی اخلاقی روحانی نقصانات اس سے کیا پہنچتے ہیں اگر اس کے سارے نقصانات انسان کو معلوم ہو جاتے تو خدا کو بولنے کی ضرورت ہی کیا تھی

کے پنجوں میں پھڑپھڑائے گا۔

خاندانی حقوق | اب خاندانی اور صلۂ رحمی کے قانون سے کسے اختلاف ہے؟ عورتوں کو خاندانی رکنیت سے باہر کر دیا گیا تھا، لیکن کیا اب بھی کوئی نسوانی حقوق سے انکار کی جرأت رکھتا ہے؟ عورت جب ماں ہو تو کیا حق رکھتی ہے؟ جب وہ بہن ہو تو اسے کیا ملنا چاہیے؟ جب وہ بیٹی ہو تو اس کا کتنا حصہ بنے؟ حتیٰ کہ جب وہ بیوی ہو تو ہر شخص کے وقت میں، آمدنی میں اس کی جائداد میں اس کے لیے کیا ہے؟ کیا ان سوالوں سے کنارہ کش ہو کر انسانی بستی میں کوئی جی سکتا ہے؟ جو عورت کو کچھ نہیں دیتے تھے جس طرح اپنے گھوڑے اور ہل میں چلنے والے بیلوں کو کچھ نہیں دیتے تھے اسی طرح ان کے مملوکات میں عورت کے لیے بھی کوئی بہرہ نہ تھا۔ صداقت کا زور دیکھو کہ اب وہی اپنے کو عورتوں کا (اگرچہ عورت سے مراد ان کی اصطلاح میں صرف بیوی ہے) بڑا وکیل سمجھتے ہیں۔ وہ تو یہ مانتے ہیں کہ (عورت ہی نہیں بلکہ مرد کو بھی اپنے جسم اور بدن کو چھپانا چاہیے، اس کے لیے بھی لباس ضروری ہے۔ جو لباس نہیں پہنتے ہیں ان کو یہ بربادر جھاڑیوں میں رہنے والا آدمی خیال کرتے ہیں۔ ستر اور پردہ سے وہ بھی بے نیاز نہیں، وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ اس چھپانے اور ستر پوشی میں عورت کو مرد کے اعتبار سے زیادہ غلو اور احتیاط سے کام لینا چاہیے تاہم جھگڑتے ہیں اور محض چند اعضاء کے متعلق جھگڑتے ہیں، دس نہیں بیس نہیں صرف گردن اور ہاتھ، چہرہ، سر، ہتھیلی کے متعلق ان کا اصرار ہے کہ عورت کا سب سے بڑا حق تھا کہ ان کو کپڑے سے نہ ڈھانکے۔ ان کا بیان ہے کہ محض انہی اعضاء کو کپڑے پہنانے کی بدولت قومیں سلطنتوں سے محروم ہو جاتی ہیں۔ شاید یہ نکتہ تاریخ کا ہے کہ ان پنج گانہ اعضاء کو مستور و ملبوس کرنے کی وجہ سے دنیا کی اقوام رذیلہ (مثلاً ڈھیڑ، دھنگر، چمار وغیرہ) اپنی اپنی آبائی حکومتوں کو کھو بیٹھی ہیں۔ اور غالباً اسی وجہ سے اب ان تمام صحرائی اور پست قوموں نے نہ صرف بدن کے ان حصوں کو بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ اعضاء کو لباس سے آزاد رکھنے کا تہیہ کر لیا ہے دیکھیے اس

بے ستری کے بعد بھی کولوں، اور بھیلوں اور ڈراویڈیوں کو اپنی رفتہ عظمت و گذشتہ شوکت کب واپس
ملتی ہے تین چار ہزار سال تو تاریخی اعداد و شمار کے لحاظ سے گذر چکے ہیں، خدا کرے بے ستری اپنے
نتائج کو اور بھی بار آور کرے طبیب نے بیماری کے سبب کی جو تشخیص کی ہے، دیکھیے اس کی تشخیص کب
سچی ثابت ہوتی ہے، تاہم کیا کوئی ان سے یہ پوچھ سکتا ہے کہ عورتوں کے حقوق کی پامالی ان کے
قیمتی جذبات شرم و حیا، عفت و عصمت کو واپس دلانے میں ہے یا اس دولت کو چوروں اور
ڈاکوؤں کی راہ پر بکھیر دینے میں؟ یہ صحت کی حفاظت کو تمام چیزوں کی حفاظت پر ترجیح دیتے ہیں
اور جب ہر شخص پر اس کے ذاتی حقوق ہیں تو لامحالہ اس کو قابل ترجیح ہونا چاہیے، لیکن عورتوں کی
صحت کے گلہ کرنے والے اپنے مردوں کے متعلق کیوں واویلا نہیں کرتے؟ سولن کی پہاڑیاں اور مدن
پلی کے بارکس ان سے کیوں آباد ہو رہے ہیں؟ عورتیں دو میل پیدل نہیں چل سکتیں لیکن قلم کا چلانے
والا موٹر کے بغیر کیا ایک میل بھی توند سنبھالے چل سکتا ہے؟ عورتوں کو تو پردے نے بیمار کیا، لیکن تمہارے
مردوں کو کس نے عینک کا فقیر، اندھا اور ڈاکٹروں کا ابدی غلام بنا دیا؟ طبیب جب مرض کے سبب
کی تشخیص نہیں کر سکتا تو اس نے اپنے دروازہ پر طبابت کا تختہ کیوں لگایا ہے؟ چرخہ کی جگہ ناول،
موسل کی جگہ قلم، سل کی جگہ اخباروں کے صفحات بھی پہنچ گئے اور اس کے بعد چیخو گے کہ بیویوں کی
تندرستیاں برباد ہو رہی ہیں؟ ذہنی بےچینیوں اور دماغی شورشوں میں جو مبتلا ہے اس کی جسمانی قوتوں
کو کس نے شاداب پایا ہے؟ فالتو معلومات کو جن فطری قوتوں پر لادا گیا ان کے ذہنی بازوؤں کے
بے شک لچک دار ہو جاتے ہیں، لیکن جسمانی نظام، اعصابی بندشوں کی سستی کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟
کیا حکیم و ملا و صوفی بھی وہاں بہتر سے دکھا سکتے ہیں جہاں قلم والوں کی نہیں بلکہ صرف تلوار والوں کی
تلاش ہوتی ہے، دماغ والوں کی نہیں بازار والوں کی قیمت ہے۔ دور از کار خبریں لاسروسی مفروض
جذبات ممکن ہے کہ تم نے عورتوں کو دیے ہوں لیکن بڑی چیز لے کر نہایت چھوٹی چیز دی گئی، بڑے

ٹوٹے کا بیوپار ہے جو ان غافلات کے ساتھ کیا گیا۔ اور ایک چیز کیا جو برے اندیشے پکاتے ہیں "ان کے منہ میں خاک" تم نے سنا بھی ہے کہ کن گندی باتوں سے وہ اپنے منہ کو اور دوسروں کے کانوں اور دماغ کو، بدبو کرتے ہیں؟ "اللھم احفظ المومنات الغافلات عن مواضع التھمات" اور دوسروں کے اندر ان سیاہ اور غلیظ بدگمانیوں کی کیچڑ" کس لیے پیدا کی گئی؟ صرف اس لیے کہ چند گنے گنائے خفیف اعضاء پر ان سے کہا گیا تھا کہ ان کو جامہ کی زیبائش سے محروم نہ کرو، لیکن تم کو اس محرومی پر اصرار ہے۔ یہی تو ایک بات ہے جس پر طوفان اٹھایا گیا، مشرق کو مغرب سے ملایا گیا۔ ورنہ ایسا کون ہے جو مردوں کو عورتوں سے، ہر قسم کے مردوں سے، اسی طرح بے تکلف ہونے کی اجازت دے جس طرح ایک مرد سے مرد اور ایک عورت سے عورت بے تکلف ہوتی ہے؟ بیٹی جو کچھ باپ کے لیے ہے کیا کسی نوجوان پرفیسر کے لیے بھی وہی رہ سکتی ہے؟ بہن جو کچھ بھائی کے لیے ہے، کیا کہتے ہو کہ وہی ان تیکھے طالب علموں کے لیے بھی رہے گی، جن کا دماغ کلاسوں میں چند بھصرف اپنی ٹیڑھی مانگوں میں ڈوبا ہوا رہتا ہے؟ کیا ان بانکوں کے لیے بھی وہ عورت وہی باقی رہ سکتی ہے جو اپنے لخت جگر بیٹے کے لیے ہے؟ اللہ کے بندو! آخر تم سوچ سکتے ہو کہ بیوی جو کچھ شوہر کے لیے ہے وہی ہر اجنبی ترچھے مرد کے لیے بن سکتی ہے؟ کیا کر رہے ہو؟ کدھر بھرائے جا رہے ہو؟ گھر کی مالکہ کا، اہل بیت کا تم نے نام چار دیواری کی قیدی رکھا! سوچو تو کیا جنگل کے بر بر پہاڑوں کے جانور تم پر تمہاری کوٹھیوں پر اور بنگلوں پر اسی فقرے کو چست نہیں کر سکتے جو تم نے غریب عورتوں پر کسا ہے؟ لیکن میں تو انسانی قالبوں سے وہی سن رہا ہوں جس کی توقع صرف بیابان کے جانداروں سے تھی کامل لباس پہنو، اور جو اپنے نہیں ہیں نہ ہو سکتے ہیں، ان کو اپنا نہ سمجھو!"[1]

[1] خاندانی حقوق کے ذیل میں پردہ کا ذکر آگیا، دل جلا ہوا ہے اس لیے قلم رکتا نہیں انشاء اللہ تعالیٰ اہتمام محبت کے لیے عورت پر ایک مستقل مضمون مختلف پہلوؤں کے لحاظ سے لکھا جائے گا۔

کیا قرآن پر ایمان لانے والیوں کا اس سے زیادہ برعمل ہے؟ جو کامل حلہ دفل ڈریس آیا ہے اسی کو تم نے تہذیب کا دشمن سمجھا، اور جس نے غیر یا اجنبی کو اپنا خیال کیا اس کو تم نے علم اور عقل کا دوست خیال کیا۔ زمین کی گردش جس کو آفتاب میں نظر آئی تم نے اس پر قہقہہ لگایا لیکن جو باپ نہیں تھا اس کو باپ، اور جو بھائی نہیں تھا اس کو بھائی، اور جو بیٹا نہیں تھا اس کو بیٹا، جس نے اس جھوٹ کو سچ سمجھا کیا تم کو اس پر آنسو بہانا نہیں چاہیے؟ ضرر سے بچنے کے لیے جو بے ضرورت اجنبیوں کی سوسائٹی میں دھڑے سے نہیں جاتی ہیں یا نہیں جا سکتی ہیں، کیا نفع حاصل کرنے کے لیے وہی بضرورت تیرہ سو برس سے ہر سال لاکھوں کی تعداد میں ہزاروں میل کا سفر طے کرکے بحر عرب اور بحر قلزم کو عبور نہیں کرتیں؟ کلدار موٹروں پر نہیں بلکہ بے سیدھی کل کے اونٹوں پر لق و دق صحرا و ریگستان و کوہستان و بے بیابان کو طے نہیں کرتیں؟ زیادہ غلط بیانی سے کام نہ لو، زبان کی ٹکروں سے ضمیر کے ٹکڑے اڑ جائیں گے۔

خیر عورتوں کے متعلق اتنے عظیم اقرار کے بعد صرف ان دو باتوں سے روٹھ جانا کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ میں واقعی یہ خیال کرلوں کہ روٹھے ہوئے، اپنے اللہ اور رسول سے روٹھے ہوئے کبھی نہ بنیں گے۔ تم نے تو اختلاف کے لیے اسی مسئلہ کا انتخاب کیا ہے جس کے نتائج کے لیے قیامت کے انتظار کی ضرورت نہ ہو گی۔ وہ اس درخت کے بیج بو رہے ہیں جس کے پھل یہ خود توڑیں گے اور مرنے سے پیشتر توڑیں گے جیسا کہ ان کے ائمہ توڑ رہے ہیں۔

اپنے بچوں کی خود دوا کرنے والی مخدرات اپنے شوہروں کے لیے خود کھانے پکانے والی پردگیان عفاف، اپنے والدین کے خود کپڑے سینے والی عصمتیاں حیا پرور، بلکہ ان کپڑوں کے لیے خود دھاگا کاتنے والیوں سے تو صلاح الدین ایوبی، اور جلال الدین رومی اور محمود غزنوی اور امام غزالی بلکہ سچ یہ ہے کہ جمال الدین افغانی، امان اللہ درانی اور رضا شاہ خندانی پیدا

ہوئے اور اب تک ہوتے رہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ ڈاکٹروں کی فیس میں شوہر کی نصف تنخواہ برباد کرنے والیاں باورچی کے بغیر شوہر کو بھوکا مارنے والیاں، درزی کے بلوں سے خاوند کے چہرے پر پریشان پیدا کرنے والیاں، شاپ کے تقاضوں کی بدولت شوہر سے راستہ چھڑا دینے والیاں، جامہ سے باہر ہو کر شیکسپیر و ڈرپیسر کی نہیں اپنے سردار و سرور (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابو بکرؓ و عمرؓ کی گود میں کیسے بچے حوالے کرتی ہیں؟

بہرکیف یورپ مسلمانوں کی آنکھوں میں تنکا گھسا کرتا لیاں پیٹتا ہے لیکن اسے وہ شہتیر نہیں سوجھتی جو "اسلام" اس کے اندر اتار چکا ہے اور اتار کر رہے گا۔ اسی خاندانی حقوق کے سلسلہ میں کیا ایک مدت تک باپ صرف بڑے بیٹے کا باپ نہیں سمجھا جاتا تھا؟ لیکن اب بھی کوئی بیٹا ہونے کے حقوق سے اس لیے محروم ہو سکتا ہے کہ وہ بجائے جنوری کے دسمبر میں اپنے باپ کا بیٹا ہوا تھا؟

وطنی و قومی حقوق | چوری ڈاکہ، قتل، فریب و خیانت، غیبت و حسد، رشوۃ، افترا، جھوٹ اور اس قبیل کتنے قوانین تھے جو ایک کے بعد ایک آتے رہے کتنی سختیوں کے ساتھ کتنی دھمکیوں کے ساتھ ان کا اعلان کیا گیا۔ پھر اپنے پڑوسیوں اپنے ہم محلوں، ہم شہروں، ہم ملکوں کے متعلق اب بھی کوئی سوچ سکتا ہے کہ اس کی جانی مالی اخلاقی قوتوں کا صحیح استعمال یہ ہے کہ ان کے ذریعہ سے دوسروں کی جان و مال عزت و آبرو دل و دماغ کو گزند پہنچایا جائے؟ اب بھی کوئی یہ سن کر اپنی پیشانی پر شکن پیدا کر سکتا ہے کہ دولتمندوں اور سرمایہ داروں کے مال میں ان کے وطن کے غریبوں اور ناداروں کا حصہ ہے؟ حصہ کی تعیین سے لوگ آنکھیں چراتے ہیں۔ دنیا نہ جانتی ہو یا نہ جاننا چاہتی ہو کہ تجارت کے مال میں چالیسواں، اور زرعی پیداواروں میں مختلف حالات کے لحاظ سے کبھی دسواں اور کبھی بیسواں حصہ غریبوں کا قدرتی اور آسمانی حق ہے لیکن بعض حصے کے بارے میں

تو اب کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ عیادت (بیماروں کی خبرگیری)، ضیافت (مسافر نوازی)، مہمات (باہمی اخوت)، رفق کلام (گفتگو کی نرمی)، خلق حسن، اماطۃ الاذی عن الطرائق (سڑکوں اور راہوں کی ہمواری وصفائی) کے قوانین سے کس دل میں انقباض باقی ہے؟

سود کے جرم کی نوعیت الغرض اپنی قوم، اپنے ملک، اپنے شہر، اپنے محلہ کے ساتھیوں کو اپنی شرارت سے محفوظ رکھتے ہوئے ان کو اپنی قوتوں سے فائدہ پہونچانا اب اس کی صداقت پر کس کو اعتماد نہیں ہے؟ ہاں! اب کوئی نہیں ہے، ان میں اب کوئی نہیں جس کے نزدیک جرم فقط وہی جرم ہے جس سے اس کی ذات یا زیادہ سے زیادہ اس کے خاندان پر ضرب لگتی ہو۔ الحمد للہ کہ جرم ان تنگ معانی سے اونچا ہو چکا ہے۔ دنیا ایمان لاچکی کہ جرائم کے سلسلہ میں ایک بڑا اور ناقابل عفو جرم وہ بھی ہے جس کے سلسلہ میں گھروں میں نہیں بلکہ قومی گھرانوں میں، وطن کی آبادیوں میں آگ بھڑک اٹھے ہو سکتا ہے کہ تمہارے کسی فعل یا قول سے تمہاری ذات یا تمہارے رشتہ داروں کو نفع پہونچتا ہو مگر اسی حرکت اور جنبش سے قومی کشتی ڈگمگانے لگے۔ تو کیا بنی آدم کا قانونی اور اخلاقی ضمیر بلکہ افادی تعقل اس طوفانی ہنگامہ کو جائز قرار دے سکتا ہے؟ آج سب کچھ بخشا جا سکتا ہے لیکن جس کے بخشنے کے لیے کوئی آمادہ نہیں وہ فقط قومی جرم ہے سچائی کی اس چٹان کو کوئی ہلا نہیں سکتا۔ اجمال کو سب مان چکے۔ پھر وہ تفصیل میں ہم سے کیوں الجھ پڑتے ہیں؟ آخر یہی تو وہ بنیاد تھی کہ جہاں لوگوں کو چوری اور ڈاکہ سے روکا گیا، فریب وخیانت سے ڈانٹا گیا، اسی کے ساتھ ساتھ ہر آنے والے نے اُس بڑے گناہ عظیم جرم کی بستیوں کو بھی دہکایا، جس کی ابتدائی موجوں میں نادانوں کو زندگی کی لہریں نظر آتی ہیں، لیکن جس کی تاریک گہرائیوں میں عمیق دانش والوں نے صرف موت کی چیخ پکار اور تباہی کی دار و گیر کو سنا۔ کیا "منو جی" نے نہیں کہا کہ "سود" کھانا "گو" کھانے کے برابر ہے؟ توراۃ میں کیا اس کا معاہدہ انسانوں سے نہیں لیا گیا کہ تم سود نہ کھانا؟ کیا مسیح نے بغیر کسی شوشے کے بدلنے کے بائبل کے قانون کی توثیق

نہیں کی ؟ اور سنو! آسمان سے جو آخری آواز سود کے متعلق آئی وہ یہ تھی۔

"اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا - فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَاَمْرُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ - يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ"

"تجارت کو خدا نے حلال کیا، اور سود کو حرام کیا، پس جس کے پاس خدا کا پند آگیا اور وہ اس سے رکا تو جو کچھ اس نے پہلے لیا وہ اس کا ہے اور اس کا فیصلہ خدا کے سپرد ہے۔ اور جو پھر اس سود خواری کی طرف پلٹا تو یہی جہنم والے ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے، صدقہ کو بڑھاتا ہے، اور خدا کسی ناشکرے گنہگار کو نہیں چاہتا۔"

اور اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ اس فعل کے آخری آثار و نتائج کو بالآخر اس طرح کھول کر رکھ دیا گیا۔

"فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ"

"اگر تم نے ایسا نہ کیا (سود خواری سے باز نہ آئے) تو خدا اور اس کے رسول کو جنگ کا اعلان دیدو۔"

عرب کے جاہلوں کے سینوں میں بھی شیطان نے اسی منتر کو پھونکا تھا، جس کے ساحرانہ اثرات آج بھی انسانوں کو اس قانون کے سمجھنے سے روک رہے ہیں۔ انہوں نے بھی پوچھا تھا اور یہ بھی پوچھتے ہیں کہ جب ہر چیز کی تجارت جائز ہے تو روپے کی روپیہ سے تجارت میں کیا نقصان ہے کہ اس سے ہم روکے جاتے ہیں؟ ان میں سے اکثر پوچھتے ہیں کہ دس ہزار روپے کے مکان کو ہم کرایہ پر چلاتے ہیں، اور کرایہ حلال ہے، پانچ ہزار کی موٹر کرایہ پر چلاتے ہیں اس اجرت کو کوئی

ناپاک نہیں کہتا، اپنی زمین بٹہ پر لوگوں کو دیتے ہیں اور مالگذاری کے جواز میں کسی کو کلام نہیں پھر اگر بجائے ان چیزوں کے ہم براہ راست اپنے روپے کو کرایہ پر لگاتے ہیں تو اس پر خدا جنگ کی دھمکی کیوں دیتا ہے؟ لڑنے کے لیے کیوں بلاتا ہے؟

لین دین اور کاروبار کی بنیاد باہمی قربانی پر ہے

ہاں تو سوچنے کی بات تھی کہ جو اس تمام کاروبار کو ناجائز کہتا ہے بھیک کا دشمن ہے محنت کا معلم ہے جس نے تجارت میں اپنی قوم اور اپنی امت کی روزی رکھی وہی یکایک اس معاملہ میں ایسے سخت احکام کیوں نافذ فرماتا ہے؟ اس نے تم سب کے ساتھ ہمیشہ بھی خواہی کی اور وہ اسی لیے تھا۔ پھر تم کو بدگمانی کیوں ہوئی؟ جس نے تمہارے لیے دنیا اور آخرت کے دروازے کھولے آخر وہی روزی کی اس راہ پر زنجیریں کیوں چڑھاتا ہے؟

سوچا نہیں گیا، ورنہ بات تو اتنی مشکل نہیں تھی۔ ہاں! تجارت میں بھی لین دین ہے اور کرایہ کے معاملہ میں بھی یہی ہوتا ہے بلکہ دنیا کے سارے کاروبار کی بنیاد اسی پر ہے لیکن ان معاملات میں کیا کوئی معاملہ ایسا ہے جس میں قربانی صرف ایک طرف سے ہوتی ہو۔ تاجر کپڑے کی قربانی کرتا ہے، گاہک روپے کی، تم نے مکان دار کو کرایہ دیا، یہ تمہاری طرف سے قربانی تھی، اور تمہاری بود و باش کے ایام میں مکان کے ہر جز کی حیثیت میں جو خرابی پیدا ہوئی، یہ قربانی صاحب مکان کی طرف سے ہوئی۔ بڑے دیوانے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ مکان کی جو حیثیت کل تھی وہی آج بھی باقی ہے۔ اس کی اینٹ پتھر، لکڑی، اور تمام عملے پر زمانہ کے امتداد کا یقیناً اثر پڑتا ہے۔ نتائج کا ظہور دیر میں ہو۔ لیکن مرمت کی ضرورت جس وجہ سے پیش آتی ہے اس کی ابتدا پہلے دن سے شروع ہو جاتی ہے۔ موٹر ایک ہی دفعہ کیوں نہ چلی ہو، لیکن اس کے کل پرزوں اور تمام اندرونی و بیرونی ساز و سامان کی وہ حیثیت کبھی باقی نہیں رہ سکتی جو چلنے سے پیشتر تھی۔ زمین پر ایک ہی دفعہ کاشت کیوں نہ کی گئی ہو۔ لیکن نشوونما

کے لیے جن اجزاء کی ضرورت ہے وہ اس مقدار میں قطعاً باقی نہیں رہتے جو کاشت سے پہلے اس زمین میں قدرتی طور پر موجود تھے۔ بہر حال ہر لین دین میں طرفین کو اپنی اپنی چیزوں کی ذات و نہ کم از کم صفات کی قربانی ضرور کرنی پڑتی ہے۔ پھر کیا روپے کا بھی یہی حال ہے؟ تم نے دس ہزار روپے سنہ ۱۹۱۰ء میں کسی کو قرض دیے ہیں اس کو مختلف کاروبار میں لگانے کے بعد ۱۹۳۶ء میں تمہیں وہ واپس کرتا ہے۔ کیا روپے کی ذات میں خرابی پیدا ہوئی؟ کیا اس کے صفات میں کوئی نقصان پیدا ہوا؟ تم نے کھرے روپے دئیے، اب لوگے بھی اسی طرح ٹھوک بجا کر۔ بہر حال کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ چونکہ ہر روپیہ دوسرے روپیہ کا قائم مقام ہوتا ہے اس لیے انقضاء مدت یا کثرت استعمال سے نہ تو روپیہ کی ذات متاثر ہوتی ہے نہ اس کے صفات میں کوئی تغیر پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام مکیلات یا وہ چیزیں جو تول کر یا ناپ کر بیچی جاتی ہیں وہ اسلام میں ربوی اموال ہیں، اور ان کا وہی حکم ہے جو چاندی سونے کا ہے۔ قانون کو عملی شکل میں لانے کے لیے مثلیات کے معمولی صفاتی تفاوت کو اسلام نے ناقابل التفات قرار دیا ہے

بہر حال جس شخص نے کسی کو روپیہ قرض دیا ہے، کیا اس کا اصل سرمایہ ہمیشہ محفوظ نہیں رہتا؟ اب اگر اس پر ہر مہینہ اس نے سود لگا دیا تو وہ نہ صرف اصل سرمایہ ہی محفوظ ہے بلکہ وہ مختلف حسابی بالیدگیوں کے مہاجال میں دن دونی رات چوگنی ترقیوں کے ساتھ منافع کی ایک غیر محدود مقدار کو مسلسل بغیر کسی انقطاع کے بار آور کر رہا ہے۔

یہ تو قرض دینے والے کا حال ہے، اب لینے والے پر غور کرو۔ اس نے اگر کسی حاجت و ضرورت کے لیے لیا ہے تو لیکر اس میں خرچ کر دے گا۔ اس کا سرمایہ بھی گیا اور سود در سود کی دلدلوں میں اس بری طرح پھنستا ہے کہ دیتا جاتا ہے اور اس کا دینا کسی طرح ختم نہیں ہوتا

بماند تشنہ مستسقی و دریا ہمچنان باقی

اور اگر اس نے کسی کاروبار میں لگانے کے لیے مثلاً تجارت، زراعت، صنعت، وغیرہ کے لیے لیا ہے تو اس قسم کے معاملات میں اس کی ذمہ داری کون لے سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ نفع ہی میں رہے گا۔ نفع بھی ہوگا اور نقصان بھی۔ پس ان دونوں صورتوں میں قرض دینے والے نہایت محفوظ پوزیشن میں نہ صرف زندہ رہتے ہیں بلکہ مالی زندگی میں غیر معمولی قوتوں کے ساتھ بڑھتے رہتے ہیں، اور غریب لینے والے نے اگر حاجت کی بنیاد پر لیا تھا تو اس کی تباہی یقینی ہے اور اگر کاروبار کے لیے تھا تو جو کبھی نہیں ڈوبا اس کا مقابلہ وہ کس طرح کر سکتا ہے جو لاکھوں دفعہ ڈوبا اور لاکھوں دفعہ ابھرا؟ جو کبھی بیمار نہیں ہوا، کیا اس کی صحت کا مقابلہ وہ مسکین کر سکتا ہے جو سال کے چھ مہینے کسی نہ کسی بیماری کو جھیلتا ہو؟

مال کی یکطرفہ گردش کا انجام | ایس گودس بیس سال میں اس کے نقصانات ظاہر نہ ہوں لیکن کچھ مدت کے بعد اس یکطرفہ مالی گردش کا آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک کی اکثر دولت سمٹ کر ان لوگوں میں پہنچ جائے گی جنہوں نے خود یا ان کے باپ دادا ؤں نے ابتدا میں بظاہر لوگوں کا کام چلانے کے لیے اپنا سرمایہ نکالا تھا۔ اور وطن کے اکثر افراد بے دست و پا ہو کر یا تو ان کے غلام زر خرید بن جائیں گے، یا اس جال سے نکلنے کی کوشش کریں گے لیکن بجائے نکلنے کے اس کے حلقے اور مضبوط سے مضبوط تر ہوتے جائیں گے۔ سرمایہ دار، لا محدود سرمایہ دار پھر سود ہی نہیں اور سینکڑوں ذرائع سے انھیں گھیرتا ہے جس طرح لوہے کی تلواروں، توپوں اور سنگینوں والے گھیرتے ہیں۔ لوگ صرف آہن کی سختی کے قائل ہیں، نادر و تیمور و چنگیز و ہلاکو پر لعنت کرتے ہیں، لیکن چاندی والا شائلاک اور سونے والا موتی چند کیا اس سے کم کرتا ہے جو انہوں نے کیا؟ اور اگر ایسا نہ بھی ہوا کہ اس کے لیے کچھ مدت درکار ہے تو بھی سرمایہ داروں کی اتھاہ آمدنی، دولت کی بے پناہ بلندی کے مقابلہ میں ملک کے اکثر افراد کو اپنی ہر اونچائی

پستی، ہر امیری، غریبی، ہر فراغت تنگی، ہر اوج حضیض محسوس ہوتی ہے جس کے بعد عوام کے عرصٔ حد بے صبری، کثرت طلبی کے آتشین سمند رابل پڑتے ہیں، اور چونکہ سرمایہ داروں کی تعداد تھوڑی ہوتی ہے اس لیے انجام کار اس کا فیصلہ بجائے مالی قوت کے جسمانی قوت کے ذریعہ سے کرنے پر غرباء کی جماعت مجبور ہو جاتی ہے۔ پھر ملک میں ٹھگوں، قزاقوں، راہزنوں، اور بٹ ماروں کی ٹولیاں گشت کرنے لگتی ہیں، خواہ وہ لیبرز، کمیونسٹ، سوشلسٹ، بالشوسٹ، کسی نام سے اپنے کو موسوم کریں اس وقت سرمایہ رکھنے والے کانپتے ہیں، مگر بے کار کانپتے ہیں، اور نہیں سوچتے کہ جو خدا اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا تھا اگر آج بدامنی کے شعلوں میں گھر گیا ہے تو کیا خدا کے غصہ کا ایک ناسوتی رنگ یہ بھی نہیں ہے؟ اب وہ اٹھتے ہیں اور اس طرح اٹھتے ہیں جس طرح مخبوط اٹھتا ہو جس کو شیطان نے چھو کر دیوانہ بنا دیا ہو۔

بہرحال استدلال و تجربہ، فہم و مشاہدہ ہر ایک اس امر کی تائید میں ہے کہ سود خواری سے شخصیتوں کو خاندانوں کو نقصان پہونچتا ہو یا نہ ہو، دلوں میں اس سے قساوت اور سیاہی آتی ہو یا نہ آتی ہو، سود خوار شائلاک یہودی یا بھیجی چند مارواڑی کے رذیل و خبیث صفات کا وارث بن کر کوئی چوپایا یا درندہ بن جاتا ہو یا نہ بنتا ہو لیکن قوم و وطن کے اجتماعی اعضاء اس کے زہریلے جراثیم سے جس قدر ماؤف ہو جاتے ہیں کسی سے نہیں ہوتے جس ملک میں سودی کاروبار کا رواج ہوتا ہے وہاں ذاتی طور پر کچھ لوگ دولت کی ثریا تک کیوں نہ پہنچ جاتے ہوں لیکن قومی لحاظ سے اس ملک کا آخری ٹھکانا صرف ثریٰ کی تاریک گہرائیوں میں ہے۔ یقیناً سود سے ملک کی دولت میں طبعی نشو و نما تو نہیں ہوتا، ہاں! تھوڑے دنوں کے لیے نگاہوں کو خیرہ کرتے ہوئے اجتماعی زندگی کے بعض خاص خاص اعضاء میں ورم پیدا ہو جاتا ہے۔ احمق اسی کو فربہی سمجھتے ہیں، لیکن دانشمندوں کو اس میں صرف سمی فاسد مادہ بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ سود خوار اپنی ذات کا اپنے

خاندان کا مجرم ہوتا ہے یا نہیں لیکن قوم کا تو وہ بدترین مجرم ہے اور ایسا سخت مجرم کہ اس کے مقابلہ میں ڈاکوؤں کا جرم اگر ثواب نہیں تو جرم بھی نہیں۔ ڈاکو اپنے خطرناک ہونے کا اعلان کر دیتا ہے، ہر شخص اس سے بچنے کے لیے اپنے کو کسی نہ کسی طرح آمادہ کر لیتا ہے لیکن خیراتی ہسپتالوں کے بنانے والے، تعلیم گاہوں کی آنکھوں میں لاکھوں روپے کی خاک جھونکنے والے سودخواروں کے متعلق کون باور کر سکتا ہے کہ قوم کا یہ وہ عضو ماؤف ہے، جو ملک کی آمدنی کے تمام ذرائع کو مختلف نالیوں کی راہ سے صرف اپنی ذاتی، خاندانی توندمیں نہایت خاموشی کے ساتھ اتار رہا ہے۔

کسے نماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی
مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

"ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ"، کی تفسیر کھلے لفظوں میں شروع ہو جاتی ہے

کیسی عجیب بات ہے کہ ان سرمایہ داروں دولتمندوں کے پاس لاکھوں روپے اس لیے تو ہیں کہ وہ بیماروں کے لیے ہسپتال کھولیں، جاہلوں کو تعلیم دیں، لیکن اگر ان کے پاس روپیہ نہیں ہے تو ان غریبوں اور ناداروں کو بغیر سود کے قرض دینے کے لیے نہیں ہے جو تجارت کر سکتے ہیں، لیکن سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے نہیں کر سکتے۔ وہ صنعتی کاروبار پھیلانا چاہتے ہیں لیکن نہیں پھیلا سکتے کہ اس کے لیے بھی سرمایہ کی ضرورت ہے، وہ زراعت کرنا چاہتے ہیں لیکن نہیں کر سکتے کہ اس کے لیے بھی سرمایہ درکار ہے، اور بغیر سودی سرمایہ کے دنیا کے کسی خطہ میں، کسی نظام میں قرض ملنے کی اس زمانہ میں کوئی توقع نہیں ہے۔

کیا بغیر سود کے قرض کی تنظیم ناممکن ہے ان میں سے اکثر پوچھتے ہیں کہ اپنا سرمایہ ہم دوسروں کو اس لیے خواہ مخواہ دیدیں کہ وہ تو اس سے نفع اٹھائیں اور ہم صرف ان کے قرضوں کے حساب و کتاب؛

تحصیل وصول کے لیے اپنے کو وقف کر دیں، اور اپنے لیے کوئی نفع نہ رکھیں۔ دیکھو! یہی وہ شخص ہے جس نے ابھی ابھی بیس لاکھ روپے خیرات کی مد میں دے کر اپنا نام اخباروں میں اُچھالا ہے۔ اس نے کسی یونیورسٹی کے نام چالیس لاکھ کا چیک بھیج کر پروفیسروں کی جھکی ہوئی گردنوں سے شکریہ وصول کیا ہے۔ کیا اس کو لاکھوں روپیوں میں سے ایک روپیہ کی واپسی کی بھی امید ہے؟ پھر کیا ہو گیا ہے کہ اس شخص سے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ بیس نہیں، پندرہ نہیں، دس لاکھ روپیے بطور قرض کے غریبوں کو دیدو تو اس سے اس کی پیشانی کی کھال کیوں سکڑ جاتی ہے؟ قرض کی صورت میں نفع نہ سہی لیکن اصل سرمایہ کی واپسی کی تو قطعی امید ہے مگر جو اصل سرمایہ کو بھی اپنے ہاتھوں سے ہمیشہ کے لیے پھینک سکتا ہے، اسی کو جب یہ کہا جاتا ہے کہ ایسی نیکی کیوں نہیں کرتے جس میں تمہارا اصل سرمایہ بالکل بے داغ تمہاری جیب میں واپس آ جائے گا تو وہ اس کو نیکی نہیں سمجھتا۔

قرض خیرات ہی کی ایک قسم ہے

ہاں! خیرات کرنا چیرٹی کے مدوں میں دینا بڑی نیکی کے کام ہیں، لیکن دیکھو! قرآن میں دیکھو! دنیا میں ایک نیکی وہ بھی ہے جس کے لینے کے لیے خدا آسمان سے خود اترتا ہے۔ وہ قرض دینے کے لیے کہتا ہے، دوسروں کو دلوتا ہے، غریبوں کی مدد کرانا چاہتا ہے، لیکن لینے کے لیے فقراء و مساکین کے بجائے خود اپنی ذات مبارک کو دولت مندوں کے دست کرم کے سامنے پیش کرتا ہے ایک جگہ نہیں دو جگہ نہیں، دسیوں جگہ فرماتا ہے "مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا[1]۔" کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دیتا ہے"

[1] "قرض حسن" کے متعلق خدا جانے کس نے مشہور کر دیا ہے کہ اس قرض کو کہتے ہیں جس کا دینے والا واپسی کے خیال سے اطمینان اٹھا لے کم از کم مجھے تو معلوم نہیں کہ یہ تفسیر کس کتاب یا حدیث سے ماخوذ ہے۔ بظاہر اس کا یہی مطلب ہے کہ جو قرض خوش دلی سے بغیر سود اور بغیر نفع کا خیال کیے محض اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے دیا جاتا ہے، وہ قرض حسن ہے۔ یہ قرض گویا اللہ کو قرض دیتا ہے اور اس کا سود اللہ کے ذمہ ہے جس نے قرض دار ہی سے سود لے لیا اس نے اپنا حصہ خدا کے پاس کیا رکھا؟ پھر یہ نیکی اور تبرع کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ قرض ہے یا روپیہ کو روپیہ سے زیادتی کے ساتھ بیچنا

سائل کی بڑائی سے سوال کی اہمیت کا اندازہ کرو۔ اس کے منافع کو سوچو۔ باسب کے کر ہضم کر سکتے ہیں لیکن اے جاہل انسان! کیا خدا کے ساتھ تو بدگمانی کرے گا دیکھو! وہ فرماتا ہے:

"فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً"

(جو اللہ کو قرض دیتا ہے، اللہ اس کے لیے دونا کرتا ہے اور بہت زیادہ دونا"

دوسری جگہ اسی مضمون کو بیان کرنے کے بعد شکی انسان کو اطمینان دلایا جاتا ہے۔

"وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا"۔

"اپنے لیے جو نیکی بھی آگے بھیجو گے اللہ کے پاس اس کو پاؤ گے وہ مزدوری دینے میں سب سے اچھا سب سے بڑا ہے"۔

لیکن اگر وہ بجائے غریبوں کے خود غربت کے علاج کے لیے انہیں غریبوں کو جن کے زخمی دلوں پر یہ شفاخانے مرہم رکھتے ہیں قرض کی نیکی کا باب یہ کھول دیتے تو غالباً شفاخانوں کی کم ضرورت ہوتی ہے آخر تمہیں تو کہتے ہو کہ بیماری جسمانی کمزوری کا نتیجہ ہے اور جسمانی کمزوری افلاس سے پیدا ہوتی ہے پس اصلی علاج افلاس کا کرو شفاخانوں کی مہیں پھر تم سے کوئی روپیہ طلب نہ کریگا لیکن سعدی کا یہ مطلب بھی تو ہو۔ وہ مدرسہ کھول کر اعلان کرتے ہیں کہ جاہلوں کو عالم بنانے کی راہیں ہم نے کھول دی ہیں۔ ہائے تم پیاس تو پیدا کرتے ہو لیکن جب سیری تشنگی انتہائی مرتبہ کو پہنچ جاتی ہے تو تمہارے جود و کرم کا چڑھا ہوا دریا بالکل اتر جاتا ہے۔ پڑھاؤ، دماغوں میں بیداری پیدا کرو، لیکن جگاتے ہو تو جاگنے والوں کو جن چیزوں کی ضرورت ہے ان کے مہیا کرنے کا بھی کچھ سامان کرو۔

سلطنتوں کا فرض خصوصاً اسلامی ریاستوں سے عرض	میں ان دولتمندوں کو کیا کہوں جو سمجھتا ہوں کہ

اپنی رعایا پر جان چھڑکنے والی حکومتوں کو میرے پاؤں کا تو اتنا خیال ہے کہ صحراؤں میں بیابانوں میں، وہ میری راہوں سے کانٹے چنتی ہیں، میرے لیے دیوارِ چین سے بھی لمبی لمبی ہزاروں میل کی مسطح وصاف وہموار سڑکیں بناتی ہیں، ان پر خزانوں کے لاکھوں کیا بلکہ کروڑوں روپے صرف کرتی ہیں، لیکن پاؤں سے چند بالشت اوپر میرے پیٹ کے مطالبہ کا ان کو بالکل خیال نہیں ہے۔ میرے پاؤں خوش اقبال، میرے جوتے بڑے بلند اختر کہ ان کے نیچے لامحدود دولت نچھاور ہو رہی ہے لیکن میرا شکم نہایت منحوس، میرا معدہ سخت بدبخت کہ وہ اپنے لیے اس روپیہ کا لاکھواں حصہ بھی صدقہ اور خیرات کی شکل میں نہیں بلکہ قرض کی صورت میں بھی وصول نہیں کر سکتا۔ مرحبا ان سلطنتوں کے لیے جنہوں نے اپنی کراہنے والی بیمار رعایا کے لیے ہر ضلع میں اور ہر تعلقہ میں مختلف قسم کے ڈاکٹر، طبیب، وید، اور دواخانوں کے انبار جمع کر دیئے۔ حبذا ان بادشاہوں کو جو امیوں کے تاریک دماغوں میں علم کی شعاعیں بھر رہے ہیں۔ ان پر اور اسی قسم کے سینکڑوں امدادی، رفاہی کاموں پر پانی کی طرح روپیہ بہا رہے ہیں لیکن کوئی ہوتا جو ان سے کہتا کہ موازنہ کے ان لامحدود شعبوں میں جہاں ہر سال کروڑوں روپے کی گنجائش اس لیے رکھی جاتی ہے کہ پھر خزانہ میں ان بیش قرار رقموں کا ایک حبہ بھی واپس نہ ہوگا، کیا بادشاہی کے شکریہ میں یہ ناممکن ہے کہ کروروں کی نہ سہی، دس بیس لاکھ ہی کی شکل میں قرض حسن کی مد میں بھی اس لیے ایک رقم رکھی جائے کہ یہ سرمایہ ہمیشہ کے لیے ضائع نہ ہوجائے بلکہ گھوم گھما کر پھر کر خزانہ شاہی میں واپس آجائے۔ جب خرچ، فقط خرچ ہونے کے لیے کروروں روپے کی منظوری دی جا سکتی ہے، تو واپس لینے کی محدود رقم کی منظوری کوئی ایسی بڑی بات ہے جس سے کانوں پر ہاتھ دھرے جائیں اور یہ سن کر العیاذ باللہ پڑھا جائے؟ کچھ نہیں تو مسلمان مقروضوں کے اس اسلامی حق ہی پر کوئی اللہ کا بندہ توجہ کرتا جو کسی زمانہ میں اسلامی بیت المال کی بہت سی مدات میں سے قرآنی

تصریح کے مطابق ''غارمین'' کے لفظ سے قائم کیا گیا تھا۔ یوں کوئی اس حق کو نہیں دیتا تو غیر سودی قرض ہی کی شکل میں دے کر سود در سود کے عذاب سے مسلمانوں کو نجات بخشتا مدرسہ کی سندوں کو ہاتھ میں لے کر یہاں کے فارغین اور متخرجین، طیلسانین و کتابیین، آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے تعلیم گاہوں نے اپنا کام ختم کر دیا۔ جو سوتے ہوئے تھے ان کو جگا دیا گیا۔ جو غبی تھے وہ ذہین ہو گئے۔ جو کچھ نہیں سوچ سکتے تھے، سب کچھ سوچ سکتے ہیں۔ جو تجارت کے گروں سے ناواقف تھے ان کو اس فن کا گرو بنا دیا گیا۔ جو زراعت کے آبائی لکیریں پیٹنے کے ہم معنی سمجھتے تھے ان کے سامنے لاکھوں لکیریں بنا دی گئیں۔ جو بے ہنر تھے ان کو ہنر سے بھر دیا گیا۔ ناکاروں کے ہاتھ میں صناعت کی چابکدستی پیدا کر دی گئی۔ لیکن وہ پھر پوچھتے ہیں کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

ہر معاشی فعل وعمل کا ایک اہم رکن سرمایہ ہے۔ پھر کالج اور مدارس میں جو یہ مشہور ہے کہ وہاں کیمیا پڑھائی جاتی ہے اس کا مطلب لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ وہاں سونا بنانا سکھایا جاتا ہے۔ غریب کیمیا کا استاد اگر سونا بنانا جانتا تو دوسروں کے سونے کی زنجیر اپنے گلے میں کیوں پہنتا۔ پس مدارس پر یہ الزام غلط ہے کہ انہوں نے ان کو بےکار بنا دیا مگر دیکھو! ان کے بیکار بنانے والے وہ ہیں جن کے پاس سڑک کے پتھر توڑنے کے لیے اُس کی مٹی برابر کرنے کے لیے تو کروڑوں روپے ہیں، لیکن غربت و افلاس کی چٹانوں کو اڑانے کے لیے مٹی کی نہیں بلکہ اشرف المخلوقات انسان کی ضرورتوں کی ہمواری کے لیے قرض دینے کے لیے ایک پیسہ نہیں ہے۔ علم نے جس کے دماغ کو سب کچھ بنا دیا ہے سرمایہ والے اگر اسی کے ہاتھوں کو مفلوج کر دیں تو تم ہی بتاؤ کہ وہ کیا کرے؟ تجارت کے تالے بھی سرمایہ کی کنجیوں کو ڈھونڈھتے ہیں، زراعت بھی یہی چاہتی ہے، صنعت کی راہ میں بھی اسی کی ضرورت ہے۔

بے سرمایہ تعلیم یافتوں کو مدرسہ زیادہ سے زیادہ ایک کارآمد دماغ دے سکتا ہے، مگر کارآمد ہاتھ تو سرمایہ سے پیدا ہو سکتا ہے۔ پھر یہ خواندہ انسان جو سرمایہ سے محروم ہے، اگر اپنے دماغ ہی کو کرایہ پہ نہ چلائے تو کیا کرے؟ تم کہتے ہو کہ نوکری بڑی ذلت کی بات ہے۔ یہ ہم بھی جانتے ہیں۔ اپنے وجود کے کسی حصہ کو خواہ وہ دماغ ہو یا کچھ اور ہو کرایہ پر چلانا اُس غلامی سے بمشکل ممتاز ہو سکتا ہے جس سے تم آج بیزار ہو۔ کرایہ دار جتنی اپنی مملوکہ چیز کے ساتھ محبت اس کی نگرانی وحفاظت تزئین وتحسین کرتا ہے کرایہ کے مکان کی نہیں کرتا اور نہ کر سکتا ہے۔ پس سچ پوچھو تو نوکری غلامی کی وہ بدترین قسم ہے جس پر دنیا کو غلاموں سے زیادہ بھرنا چاہیے سلطنت کی صحیح خدمت کا وہی سزاوار ہے جو اپنے کو دوسروں کے لیے وقف کر سکتا ہے لیکن اُن مفلسوں سے سلطنت اور رعایا کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے جو سلطنت کی خدمت کا مصرف یہ خیال کرتے ہیں کہ اس کی آڑ میں ان کا بھوکا پیٹ سیر اور ان کی شکستہ جھونپڑی قصر اور ان کی بے زیور والی بیوی زیوردار ہو جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان خواہشوں سے جو سیر ہو چکا ہے، حکومت کی ملازمت اسی کو کرنی چاہیے۔ وہ لے گا نہیں، دے گا۔ لوٹے گا نہیں، لٹے گا۔ وہ اپنی خوشی سے نہیں بلکہ اپنے ملک کی خوشی کو ڈھونڈے گا۔ خواہ اس کا مالک یا معبود کوئی انسان ہو یا خود اس کا نام ہو اور دراصل جو مالک ہے وہی اس کا مالک ہو۔

مصارف کون ادا کریگا

قرض کے حساب کتاب کے جھگڑوں میں سوال اٹھایا جاتا ہے کہ جب قرض بلا سود دیا جائے گا تو اس کے حساب وکتاب، تحصیل وصول پر جو مصارف عائد ہوں گے یہ کون ادا کرے گا؟ لیکن کوئی ان سے پوچھتا کہ حکومتوں کے سیکڑوں رفاہی اور خیراتی محکموں کے مصارف کون ادا کرتا ہے؟ تعلیم کی تنظیم کے لیے جائز ہے کہ محاسبوں، نگرانوں، مراسلہ نویسوں، جرس سازوں، ڈاکیوں، پیونوں، چپراسیوں پر لاکھوں روپے خرچ ہوں۔ سڑک کی مرمت کے لیے

صحیح ہے کہ نقشوں اور حساب کتاب و مراسلت کی مد میں کرۂ زمین ڈھانک دینے والے کاغذات پھیلائے جائیں لیکن پوچھا جاتا ہے کہ قرض کے کاروبار کے مصارف کون ادا کرے گا؟ حالانکہ یہ ذمہ داری بآسانی اس محکمہ پر عائد کی جا سکتی ہے جو سودی قرض کے کاروبار کو انجمنوں اور اتحاد باہمی کے ناموں سے جاری کر چکا ہے۔ اگر ایک کروڑ روپیہ کا حساب کتاب یہ سودی منافع لینے کے بعد کر سکتے ہیں تو کیا دس بیس لاکھ سالانہ قرض جو بغیر سود کے ایسے لوگوں کو دیا جائے جو سود نہ لینا چاہتے ہیں نہ دینا چاہتے ہیں کیا اس نیک کام کو حکومت ان انجمنوں کے تنخواہ دار ملازموں سے نہیں لے سکتی؟

بنک کی حقیقت حکومت اگر چاہے تو ایسے لوگوں کے لیے اپنے خزانہ میں کھاتا کھول سکتی ہے جو اپنا سرمایہ جمع کرنا چاہتے ہیں لیکن بنکوں میں جمع کرنا نہیں چاہتے کہ اس کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ بھی سود خواروں کی کمیٹی کا ایک ممبر بن جائے۔ وہ اس قسم کے لوگوں کے سرمایہ کی حفاظت کی ذمہ داری لے کر ان سے اجازت لے سکتی ہے کہ وہ اپنے اعتماد پر ان کے روپیے ایسے لوگوں کو قرض دے گی جو اس قرض پر سود نہیں ادا کریں گے۔ بالکل ممکن ہے کہ جس طرح منی آرڈر روپیوں کے لیے گورنمنٹ سیکڑے کے حساب سے روپیہ بھیجنے والوں سے کچھ فیس وصول کرتی ہے، ایک خفیف فیس اس مد میں بھی قطعاً گراں نہ ہو ۔ روپیہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں بحفاظت پہنچ جائے، جو اس صلہ میں گورنمنٹ کو فی صدی ایک روپیہ ادا کرتا ہے، کیا وہی اس صلہ میں کہ اس کا روپیہ چوروں اور ڈاکوؤں سے محفوظ ہو کر سرکاری خزانہ میں جمع کر دیا گیا ہے فی صدی ایک آنہ بھی ادا نہ کرے گا؟ اگر ادا نہیں کرتا ہے تو گورنمنٹ پھر بھی اپنی رعایا کی جان اور عزت کی جہاں حفاظت کرتی ہے کیا ہو جائے گا اگر اس کے مال کی حفاظت بھی کر دے۔ اور غالباً پولیس پر لاکھوں روپیہ زیادہ تر اسی لیے خرچ کیا جاتا ہے بلکہ اس صورت میں یہ بالکل ممکن ہے کہ سالانہ لاکھوں روپے گورنمنٹ کے خزانہ میں اس کی آمدنی بنے

زائد جمع ہو جائیں گے جس پر اگر نفع نہیں تو کم از کم کچھ سود تو نہ دینا پڑے گا۔ نہ صرف اس کی اپنی رعایا کے روپے اس طرح خزانہ میں جمع ہوں گے بلکہ اعتماد کو محسوس کرکے۔ یقین ہے کہ اجنبی رعایا بھی اس حکومت کے خزانہ میں اپنے کروروں روپے جمع کرا دے۔

ظاہر ہے کہ اب تک جو کچھ کہا گیا موسمی حالات اس کے مناسب نہیں ہیں۔ دنیا' خود غرض دنیا تقلیدی دنیا کے اس سننے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ اس وقت تک مقصد صرف یہ تھا کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ خدا کے حکم کی تعمیل کے ساتھ ساتھ ہم صحیح معاشی قوانین کی پابندی بھی کر سکتے ہیں۔ امکان موجود ہے۔ لیکن بغاوت اور سرکشی کا کچھ جواب نہیں دیا جا سکتا۔ ہم سرمایہ داروں سے بغیر سود کے مانگتے ہیں اور اس قرض کو ہم وطن اور ملک کے غرباء کا ایک شرعی اور دینی و اخلاقی حق سمجھتے ہیں لیکن اگر قرض نہیں دے سکتے تو ہم اُن سے درخواست کرتے ہیں کہ تم بجائے سود اور ربائی کاروبار کے مضاربت[1] یا شرکت[2] کے معاملوں کے ذریعہ سے غریبوں کی امداد کرو انسان کو کرایہ پر چلنے کی ذلت سے بچاؤ، علم کو بدنام نہ کرو، ملک کے عام طبقہ کی شدید بے چینی کو تھامو، جرائم اور شرارتوں پر لوگوں کو مجبور نہ کرو، مالی قوت کے مقابلہ میں تعدادی اور جسمانی قوت کو چیلنج نہ دو۔

لیکن سوال یہ ہے کہ رام کی ان کہانیوں کو کون سنتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ سب ڈانٹے گئے تھے، عیسائیوں کو بھی روکا گیا تھا، حتیٰ کہ ہندوؤں کو بھی کسی نہ کسی نے سود کے جرم عظیم سے آگاہ کیا تھا، لیکن امتحان کے میدانوں میں سب کچے نکلے صرف محمدؐ اور فقط محمد صلی اللہ

[1] اسلامی اصطلاح میں "مضاربت" اس معاملہ کا نام ہے جس میں ایک طرف سرمایہ ہو اور دوسری طرف محنت اور نفع دونوں میں شریک رہے

[2] شرکت کی بہت سی صورتیں ہیں لیکن عام اور سادہ صورت اس کی وہی ہے جسے کمپنی بنانا کہتے ہیں یعنی سرمایہ دار باہم ملکر کسی کاروبار کو چلائیں اور جو نفع ہو بانٹ لیں۔

علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں میں بقول گبن ایک ایسا دینی نشہ پیدا کیا کہ وہ اسی نشہ میں جھوم رہے ہیں، ان کی جائدادیں لوٹی گئیں، ان کے گھر کھوٹے گئے ان کی زمینیں چھینی گئیں، ان کی ہڈیوں کے چونوں سے یورپ اور امریکہ بلکہ خود ایشیا میں کتنے عالیشان محل بنائے گئے، ان کو روندا گیا، پیا گیا، اور جو کچھ نہ ہونا تھا سب کچھ ہوا۔ ان کے ساتھ انہی کے ہم وطنوں نے، آدم ہی کے بچوں نے وہ کیا جو کسی مرے ہوئے کتے کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا لیکن دیوانوں نے، اللہ کے دیوانوں نے اپنے پیارے نبی (خدا کا ہزار ہزار سلام اس ہادی برحق پر اس نبی برحق اس غمخوار امت پر) کے ارشاد گرامی پر سب لٹا دیا سب کچھ جانتے تھے، اور کون نہیں جانتا کہ کیا کچھ نہیں کر سکتے تھے لیکن مستانہ وار لٹتے دیا جو لوٹا گیا، بٹنے دیا جو بانٹا گیا، برباد ہونے دیا جو برباد ہوا۔ مڑ کر بھی نہیں دیکھا کہ کیا ہوا اور کیا ہو رہا ہے۔ ان کا سرمایہ تو صرف اس قدر تھا اور ہے کہ

خراباتیاں مے پرستی کنند
محمد بگویند و مستی کنند

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۔ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ

"بولو! "اللہ" اور چھوڑ دو ان کو کہ اپنی بیہودہ خیالیوں میں کھیلتے رہیں"۔

"بولو! جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تجارت اور کھیل سے بہتر ہے اور خدا سب روزی دینے والوں سے بہتر ہے"

ان کے فقہاء نے قرآن دیکھا، آثار و حدیث میں تلاش کیا اور ان کے اللہ نے جس ربا (سود) سے انہیں منع کیا تھا اس کی تفسیر یہ کی۔

قولہ تعالیٰ لا تاکلوا الربا ای الزائد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سود نہ کھاؤ یعنی قرض اور سلم

فی القرض والسلف علی المدفوع والزائد فی بیع الاموال الربویة عند بیع بعضها ببعض۔ (فتح القدیر لابن ہمام الحنفی ص۱۴۷)

کے معاملہ میں جتنا دیا گیا ہے اس سے زائد نہ لو اسی طرح جو ربوی اموال ہیں ان کی جب خرید و فروخت کرو تو اس میں بھی زائد نہ لو۔"

اسی طرح دوسری آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

احل اللہ البیع وحرم الربو ای حرم ان یزاد فی القرض والسلف علی القدر المدفوع وان یزاد فی بیع تلک الاموال بجنسها قدراً لیس مثلہ فی الآخر ص۱۴۷

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اللہ نے تجارت حلال کی اور سود کو حرام کیا یعنی قرض اور سلم کے معاملہ میں جتنا دیا گیا ہے اس پر زیادتی نہ لینی چاہیے اور اسی طرح ربوی مالوں کو جب آپس میں ایک جنس کو دوسری جنس سے بیچا جائے تو کسی جانب ایسی مقدار ہونی چاہیے جو دوسرے میں نہیں ہے۔

ربا یعنی سود کی اس حقیقت کو منقح کرنے کے بعد پھر اس پر قانونی تفریعات کے لحاظ سے دفعات بنائے گئے اور مسلمانوں نے بے چون و چرا اس کے آگے گردنیں جھکا دیں اور الحمد للہ کہ وہ اس وقت تک اپنے اس فعل پر قطعاً نادم نہیں ہیں۔ وہ عشق کے میدان میں اترے ہیں، پھر اپنے جان و دل کے عزیز رکھنے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں صدیق سے نبی الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ تم نے اپنا سب کچھ مجھ پر لٹا دیا۔ جانباز یا غار کے سینہ سے بھر آئی ہوئی آواز آئی کہ میرا کیا تھا جس کو لٹایا؟ آج مسلمان بھی اپنے آقا و سردار کی اسی آواز کو پہنچا رہے ہیں، اور پہنچاتے رہیں گے کہ ہمارا کیا تھا جو لٹایا۔ آپ ہی کی راہ میں ملا تھا۔ پھر اگر حضور کی راہ میں لے لیا گیا تو اس کی پروا کیا ہے۔ قاسم نے اگر ایک مرتبہ بانٹا تھا تو کیا وہی دوبارہ اپنے کرم کی بارش نہیں کر سکتا۔ وہ جس دروازہ کا مالک ہے وہاں کس چیز

کی کمی ہے۔

اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَ الْاُوْلٰی۔ کیا انسان کے لیے وہ ہو جس کی وہ آرزو کرتا ہے؟ پھر اللہ کے لیے تو دنیا اور آخرت دونوں ہیں۔

انسدادِ سود کی تحریک | اور سچ یہ ہے کہ یہی یورپ اور امریکہ ہے جس کے ذہنی اور سیاسی دباؤ کے نیچے مسلمان اپنی خصوصیات کے چھوڑنے پر مضطر نظر آتے ہیں کیا نہیں دیکھتے ہو کہ انہی ممالک کے اجتماعی و اخلاقی نظام کی جنت نما جہنم کے شراروں سے جھلس کر جب کوئی بیچارہ عالمِ بے چینی میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اس مدقوق سسٹم کو توڑ کر، اللہ اور اس کے رسولؐ کے مشوروں اور احکام کے اعتماد پر نہیں بلکہ صرف اپنے بے قاعدہ تخیلات پھسپھسے اوہام و وساوس کی بنیاد پر اپنی پیش کردہ تجویزوں پر اصرار شروع کرتا ہے تو کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ایک سے دس اور دس سے بیس بیس سے لاکھوں آدمیوں کی جماعت اس اصول کو اپنی زندگی میں تحلیل کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے۔ کتنے ہی اخلاقی سیاسی اور تخیلی و اجتماعی اصول ہیں جو آئے دن ان ممالک میں پیدا ہوتے رہتے ہیں اور صرف عوام کو نہیں بلکہ خواص بلکہ حکومتوں کو بھی ان کے تسلیم پر مجبور ہونا پڑتا ہے ورنہ حکومت سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ روس کے زار کو آخر یہی کرنا پڑا۔ اس مسئلہ میں ممکن ہے کہ چند بنیے یا ساہوکار مسلمانوں کا ساتھ نہ دیں، لیکن ہر قوم و مذہب کے غربا (اور ان ہی کی تعداد سب سے زیادہ ہے) اس آواز پر لبیک کہنے کو تیار رہیں، اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ۔

شکر ہے کہ حرمتِ سود کے مسئلہ پر اصرار کرنے والی امتِ محمدیہ علیٰ نبیہا الف سلام و تحیۃ میں اگر چالیس کروڑ نہیں تو انتالیس کروڑ زندہ انسان اس وقت بھی کرۂ ارض کے طول و عرض پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اتنی بڑی قوم اگر ایک معاشی گناہ کو مٹانے کے درپے ہو جائے

تو کیا تم اس کو قدرت کے احاطہ سے خارج اپنی کوتاہ عقلی سے اسے دور سمجھتے ہو کہ آج نہیں تو کل دنیا کو ان کے اصرار سے کوئی گریز کوئی چارۂ کار باقی نہ رہے گا۔ ہمت کی بات ہے ورنہ

دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد،

لیکن پست ہمتوں کو دیکھتا ہوں کہ ان میں سے ایک دوسرے کو گھور رہا ہے۔ اور دل ہی دل میں ایسے بہت ہیں جو بدگمانیوں کے شعلوں میں جھلس رہے ہیں۔ پوچھتے ہیں کہ کیا دین کامل میں "موجودہ معاشی مشکلات" سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں ہے، حالانکہ ان کو یہ کیسا مغالطہ ہوا۔ صحیح ہے کہ "اسلام" نے مسلمانوں کو محکوم فرض ہی نہیں کیا ہے۔ حکومت کو اس نے ان کا پیدائشی حق قرار دیا ہے۔ قرآن کو اس سے انکار ہے کہ مسلم پر غیر مسلم طاقت کے لیے کوئی قدرتی اور اللہ کی بتائی ہوئی راہ ہو۔

مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِلْکَافِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا۔ — اللہ نے غیر مسلموں کے لیے ایمان والوں پر کوئی راہ نہیں بنائی۔

اس کا ظہور اعلان ہے اور ایمان ہی کی کمی سے اس قانون کے قدرتی نتائج و آثار میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ ورنہ دیکھو کہ کامل ایک ہزار برس تک بغیر سودی کاروبار کے مسلمانوں نے اپنے تمدن کو زندہ رکھا۔

سود کی عارضی تدبیر لیکن عارضی طور پر اگر مسلمانوں کو غیر اسلامی حکومت میں رہنے کی ضرورت پیش آجائے تو تم سے کس نے کہدیا کہ اس وقت مسلمانوں کی زندگی کا جو کچھ دستور ہونا چاہیے اس کو بتانے میں دین کامل نے کوتاہی کی؟ کیا کمال کا دعویٰ وہ قانون کر سکتا ہے جس میں فطری واقعات کی تو مکمل تشریح ہو لیکن عارضی حوادث کے جواب یا حل سے وہ خاموش ہو؟ "خوبوں" کے پاس جو کچھ تھا جو ان سب کو مے کر آیا، بڑے دیوانے ہو کہ اس کے متعلق ایسا خیال پکاتے ہو۔ کیا

جس کے چلنے کے لیے خدا کی روشنی کافی نہ ہو اس کے لیے پھر کہیں روشنی ہے؟

مَن لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ　جس کو اللہ نے روشنی نہ دی ہو اس کے لیے پھر کوئی روشنی نہیں۔

اسی مسئلہ کو لو، فتویٰ دینا یا نہ دینا تو علماء کی جماعت کا کام ہے لیکن کسی بڑی ڈیوڑھی کی گلیوں کے ایک جاروب کش کی "صدائے سرراہے" بھی سن لو۔ ہو سکتا ہے کہ جو تمہیں ناقص نظر آیا اس کے متعلق تمہیں رائے بدلنے کی ضرورت پیش آجائے۔ ذرا غور سے سننا، ممکن ہے کہ اس کے بعد شاید ان شرعی حیلوں، قانونی داؤ پیچوں، اور سچ تو یہ ہے کہ "قرآن عظیم" کو وقتی ضرورتوں کے تابع کرنے سے قوم کے وہ مخلصین نجات پا جائیں گے جو نتیجہ کو دیکھ دیکھ کر تنکے کا سہارا ڈھونڈھ رہے ہیں۔ کوئی اضعافاً مضاعفہ (چند در چند) کی تقییدی قید میں ایک منصوص حکم کو جکڑ کر اپنے جرم کی بیڑیوں کو مضبوط کر رہا ہے۔ کوئی تجارتی اور غیر تجارتی سود کی تفریق میں زور لگا رہا ہے۔ کوئی جاہلی اور غیر جاہلی "ربوٰ" کی تحقیق کے لیے قدیم عرب کے کھنڈروں میں سرگرداں ہے۔ کوئی بنک کی حقیقت سے اغماض کر کے عصر حاضر کی اصطلاحات و معاملات کے جہل میں پناہ ڈھونڈھتا ہے۔ کوئی ربوٰ البیع اور ربوٰ القرض کی تقسیموں سے اس حرمت کی حرارت کو کم کرنا چاہتا ہے، جس کی تپش کی برداشت کی قوت مسلمانوں کے دل و جگر میں نہیں۔ کوئی سود اور روپیہ کے کرایہ کے خانہ ساز فرق سے خدا کے قانون کو توڑنے کے لیے دانت پیس رہا ہے۔ الغرض وہ سب کچھ ہو رہا ہے جو بحرانی حالات میں ایک غریب و بے یار و مددگار مریض کر سکتا ہے حالانکہ جو مشکل دین کی وجہ سے محسوس ہو رہی ہے اس کی آسانی بھی تو دین ہی میں تلاش کرنا چاہیے۔ اور کیا کسی حنفی کو اس سے بھی روکا جائے گا کہ وہ اپنے امام کے منشا نظر کی توجیہ و تفصیل بھی نہ کرے۔

بہر حال اب میں اصل مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں و اللہ ولی الامر و التوفیق وھو یقول الحق و یھدی السبیل۔

واقعہ یہ ہے کہ یہاں دراصل دو سوالات ہیں:-

(۱) غیر اسلامی مقبوضات کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے۔

(۲) مسلمانوں کو ان حکومتوں میں رہنے کے بعد کن قوانین کی پابندی کرنی چاہیے۔

میں ہر مسئلہ کے متعلق ان دفعات کو ترتیب پیش کرتا ہوں جو اسلامی قانون کے مستندات میں پائے جاتے ہیں۔ ربنا انک تعلم ما نخفی و ما نعلن و ما یخفیٰ علی اللہ من شیءٍ فی الارض و لا فی السماء۔ (باقی)

حجاب شرعی

از جناب مولٰنا شبیر احمد صاحب عثمانی

(چند سال ہوئے کہ مولٰنا ممدوح نے یہ مضمون بعض اسلامی جرائد کی لاطائل بحثوں کو دیکھ کر مسئلۂ حجاب کی شرعی توضیح کے لیے تحریر فرمایا تھا، اس وقت چونکہ ترجمان القرآن میں یہ مسئلہ زیر بحث ہے اس لیے ہم اس مضمون کو یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ ناظرین ایک جلیل القدر عالم دین کی تحقیق سے بھی باخبر ہو جائیں۔ تمہیدی حصہ کو غیر ضروری سمجھ کر حذف کر دیا گیا ہے)۔

فی الحقیقت اس وقت ہمارے سامنے مسئلہ کے دو پہلو ہیں۔ سَتر (بدن کا ڈھانپنا) اور حجب (پردہ میں رہنا)، ان دونوں کے متعلق دو چیزوں کے بیان کرنے کی ضرورت ہے احکام اصلیہ جو منصوص ہیں اور علل شرعیہ جن پر فقہائے امت کے اجتہادات کی بنا ہے۔ ان شقوق اور حیثیات میں خلط مبحث کر دینے سے اکثر صحیح راستہ گم ہو جاتا ہے اور جواب کی اصل صورت متعین نہیں ہوتی

سردست میں مسئلۂ ستر کی نسبت کچھ لکھنا نہیں چاہتا یعنی یہ کہ عورت کو کس حصۂ بدن کا کن لوگوں کے سامنے کن کن حالات میں چھپانا ضروری ہے یا کھلا رکھنا جائز ہے۔ میرے نزدیک بحث کا مہم نقطہ یہ ہے کہ نصوص کتاب و سنت کی رہنمائی میں ہم یہ طے کرلیں کہ عورت کے گھر سے باہر قدم نکالنے کے متعلق شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم کو قانونی ہدایات کیا دی ہیں۔ اور اپنی دلی مرضی اور منشا کا کس عنوان سے اظہار فرمایا ہے۔ یہ نکتہ کسی وقت فراموش نہ کیا جائے کہ ہم غلاموں کا تعلق آقائے نامدار سید الرسل علیہ السلام سے فقط ایک ضابطہ کا تعلق نہیں کہ محض

قانونی کارروائی کرکے ہم بے فکر ہو جائیں نہیں ہماری کامیابی اور حق شناسی اسی میں ہے کہ ہم آپ کے ارشادات کی اطاعت آپ کے قوانین کی پابندی آپ کے طرز عمل کا اتباع آپ کے عادات واطوار کی تأسی آپ کی ذات منبع البرکات کی انتہائی محبت وتعظیم اور آپ کے منشاء دلی کو پورا کرکے آپ کی رضاء قلبی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔

وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔

مَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مسئلۂ زیر بحث کے متعلق قرآن کریم اور سنت صحیحہ نے ہم کو کیا روشنی عطا فرمائی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کے بارہ میں اپنی امت کو کیا قوانین اور کیا ہدایات دی ہیں۔ ان ہدایات کی حقیقی روح کیا ہے اور علاوہ قانونی روک تھام کے خود حضور کا دلی منشاء کیا ظاہر ہوتا ہے۔ میرے نزدیک تطویل کی حاجت نہیں فقہیات سے علیحدہ ہو کر بھی اگر کوئی شخص اس باب میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا یک نظر مطالعہ کرے گا وہ بسہولت حضور کی مرضی مبارک پر مطلع ہو سکیگا۔ بلا شبہہ ذخیرۂ حدیث میں آج تک میری نظر سے کوئی ایسی حدیث نہیں گذری جس میں مستورات کو بالتصریح و بالکلیہ گھر کی چہار دیواری سے باہر نکلنے سے مطلقاً روک دیا گیا ہو بلکہ اس کے برعکس صرف صحیح بخاری کی ورق گردانی سے ہی متعدد احادیث ایسی دستیاب

ہو سکتی ہیں جن سے مستورات کا خاص خاص احوال میں مخصوص ضروریات کے لیے مکان سے باہر نکلنا ثابت ہوتا ہے لیکن اس نکلنے پر جو قیود و شروط شارع علیہ السلام کی جانب سے قانونی طور پر عائد کی گئی تھیں ان کا اندازہ ان احادیث سے ہو سکتا ہے۔

اذا استأذنکم نساءکم باللیل الی المساجد فاذنوا لھن۔ جب تمہاری عورتیں تم سے رات کے وقت مساجد میں جانے کی اجازت طلب کریں تو اجازت دیدیا کرو۔

مسلم کی ایک روایت میں لا تمنعوا آیا ہے یعنی منع مت کرو معلوم ہوا کہ مساجد وغیرہ میں جانیکا مستورات کو حکم نہیں دیا گیا اور خود جانا چاہیں تو آزاد نہیں چھوڑا گیا کہ ان کا مساجد میں نماز کے لیے جانا بھی مرد کے اذن و اجازت سے ہونا چاہیے۔ اب مرد کو اختیار ہے وہ جیسی مصلحت سمجھے اجازت دے یا نہ دے۔ اگر وہ اجازت دینے پر مجبور رہوتا تو استیذان کی قید عبث تھی۔ البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقدس عہد میں عورتوں کے قیم یعنی شوہر کو مشورہ دے رہے ہیں کہ ہر وقت نہیں صرف شب کے وقت (جو نسبتہً تستر کا وقت ہوتا ہے) اگر مساجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو خواہ مخواہ محض اوہام اور وساوس کی بنا پر ان کو روکنے کی ضرورت نہیں تاہم عورت کو حکم دیا گیا۔

فلا تطیب تلک اللیلۃ (صحیح مسلم) اس رات خوشبو استعمال نہ کرے۔

ایما امرأۃ اصابت بخوراً فلا تشھد معنا العشاء۔ جو عورت خوشبو لگائے وہ ہمارے ساتھ عشا میں شریک نہ ہو۔

نہ صرف اسی قدر بلکہ سنن ابی داؤد اور صحیح ابن خزیمہ میں ہے۔ و لیخرجن تفلات۔ تفلہ کے معنی مجمع البحار میں لکھتے ہیں۔ التی تھارا نحۃ کریھۃ خلاصہ یہ کہ جب مسجد میں جائے تو میلی کچیلی ہو کر ایسی ہیئت سے نکلے جس سے اجانب کو اس کی طرف ملتفت ہونیکی

قطعاً تحریک وترغیب نہ ہو۔ ابن عبد البر نے تمہید میں اپنی اسناد سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ۔

انھوا نسائکم عن لبس الزینۃ والتبختر فی المساجد اپنی عورتوں کو زینت کا لباس پہنکر ناز وانداز کے ساتھ مسجد میں جانے سے منع کردو۔

قرآن کریم میں ہے وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ اپنا نگھار ظاہر نہ کریں يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ۔ چال ڈھال ایسی نہ ہو جو چھپی ہوئی زینت پر دوسروں کو مطلع کرے وليضربن بخمرهن على جيوبهن۔ لباس سے سینہ وغیرہ کا ابھار ظاہر نہ ہو يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ چادریں اس طرح لٹکی ہوں جو بدن کی ہیئت کے لیے ساتر ہوسکیں فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ۔ کسی سے بات کرنے کی نوبت آئے تو ایسی نرمی ونزاکت سے نہ کریں جس سے بد نیتوں کو کچھ طمع پیدا ہو۔ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ۔ خلاصہ یہ ہے کہ اپنی آبرو اور عصمت کی پوری طرح حفاظت کریں۔

حدیث میں ہے۔

زِنا العین النظر و زنا اللسان المنطق آنکھ کی زنا نظر بد ہے اور زبان کی زنا بات کرنا

جب ان قوانین کی پابندی کے ساتھ عورت مسجد میں پہنچ گئی تو ارشاد ہے کہ

خَیر صفوف الرجال اولها وشرها اٰخرها وخیر صفوف النساء اٰخرها وشرها اولها یعنی جو عورت جماعت میں امام سے اور مردوں کی صفوف سے جس قدر بعید ہوگی اسی قدر بہتر ہے۔

ایک حدیث میں ہے۔ اخروهن من حیث اخرهن اللہ۔ ان کو پیچھے رکھو جس طرح خدا نے ان کو پیچھے رکھا ہے۔

پھر نماز میں عورتوں کو حکم تھا کہ جب تک مرد سجدہ سے اٹھ کر بیٹھ نہ جائیں وہ سجدہ سے سر اٹھائیں نہیں۔ اگر امام کو سہو لاحق ہو تو آگاہ کرنے کے لیے مرد سبحان اللہ کہیں۔ عورت کو مجمع میں اس قدر بولنے کی بھی اجازت نہیں۔ اَلتَّسْبِيْحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيْقُ لِلنِّسَاءِ۔ سبحان اللہ کہنا مردوں کے لیے ہے۔ عورتوں کے لیے دستک دینا ہے"۔ نماز فجر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابہ رض اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں اٹھتے تھے جب تک مستورات مسجد سے باہر نہ چلی جاتی تھیں۔

ان سب انتظامات کے باوجود معجم طبرانی اور مسند امام احمد میں باسناد حسن وارد ہے کہ

عَن ام حمید الساعدیۃ انھا جاءت اِلیٰ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقالت یا رسُولَ اللّٰہِ انی احب الصلوٰۃ معك قال قَد علمت وصلوتك فی بیتك خیر لك من صلوتك فی حجرتك وصلوتك فی حجرتك خیر لك من صلوتك فی دارك وصلوتك فی دارك خیرٌ لك مِن صلوتك فی مسجد قومِك وصلوتك فی مسجد قومِك خیر لك من صلوتك فی مسجد الجماعۃِ۔

ام حمید ساعدیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے یہ محبوب ہے کہ آپ کے ساتھ نماز پڑھوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے سمجھ لیا مگر تو اپنے مکان کے کسی کمرہ کے اندرونی حصہ میں نماز پڑھے یہ اس سے بہتر ہے کہ کمرہ میں پڑھے اور کمرہ میں پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ صحن میں پڑھے اور مکان کے صحن میں پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ اپنے محلہ کی مسجد میں جا کر ادا کرے اور محلہ کی مسجد میں پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ جامع مسجد میں ادا کرے۔

خیال کیجیے کہ نماز اہم العبادات ہے۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تمام مساجد کی نمازوں پر ہزار گنا فضیلت رکھتی ہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کرنا وہ

دولت ہے جس کے مقابلہ میں کل دنیا کی دولتیں ہیچ ہیں۔ عموماً مقتدی وہ لوگ ہیں جن سے بڑھ کر بجز انبیا کے کوئی پاکباز مطہر و مز کی جماعت آسمان کے نیچے موجود نہیں ہوئی۔ اسلامی سوسائٹی ایسے رجال و نسار پر مشتمل ہے جن کی عفت مآب زندگی امت محمدیہ کے لیے عفض بصر و تحفظ عصمت کا اعلیٰ نمونہ بننے والی تھی وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر لمحہ تازہ وحی اور نئے نئے احکام و اصلاحی قوانین سے مستفید ہونے کے لیے ہر مرد و عورت دربار نبوت میں حاضر ہوا کرے۔ فضا ایسی ہے کہ مسلمان ظاہر و باطن میں خدا سے اور غیر مسلم مسلمانوں سے خوف کھاتے رہتے ہیں۔

ایسی پاک فضا اور ایسے مقدس ماحول میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین اسلام کو پیرس ولندن میں نہیں میلوں اور تھیٹروں میں نہیں باغوں اور پارکوں میں نہیں سیر و تماشے کیلیے نہیں بلکہ مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی میں خود اپنی اقتدا میں اتقیا رامت کی جماعت میں نماز ادا کرنے کے لیے اس قدر مقید کیا اور ان کی نام نہاد آزادی یا یوں کہو کہ ان کے جوہر شرافت اور گوہر عصمت کی حفاظت پر ایسے سخت پہرے بٹھلائے اور اختلاط رجال و نسار کو اتنی شدت سے روکا۔ آخر ان تمام احکام و ہدایات کی علت کیا تھی۔ یہی نا کہ تخم فتنہ کو اختلاط جنسین کی ابیاری سے نشوونما کا موقع نہ ملے۔

پس اگر حکما رامت نے یہ دیکھ کر کہ عہد نبوت سے بعید ہونے کے ساتھ ساتھ رجال انسا کی اخلاقی حالات بھی نسبتاً گرتی جاتی ہے اور ان حدود و قیود کی پرواہ بھی نہیں کی جاتی جو مستورات کے مکان سے باہر نکلنے کے متعلق عائد کی گئی تھیں یہ فتویٰ دیدیا کہ اب خواتین امت کو یہی تاکید کی جائے کہ وہ اپنے اخلاق کے تحفظ کی خاطر بجز مجبور کن حالات کے بے حجاب ہو کر قطعاً گھر سے باہر نہ نکلیں تو کیا یہ شارع علیہ السلام کی مرضی کے خلاف ایک تشریع جدید ہوگی؟ اگر احکام شرعیہ کا اپنی علل پر دائر ہونا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا معاشی و

معاوی مصالح پر ہونا ضروری ہے تو بلاشبہ علما مجتہدین اس کے سب سے زیادہ مستحق ہوں گے کہ علتوں کے طرد وعکس اور مصالح کے انضباط سے تغافل نہ برتیں۔

قرآن کریم نے مسلمانوں کو خطاب کیا تھا کہ

لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوا　اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں بغیر اجازت و اطلاع نہ جاؤ۔

حدیث میں ہے کہ ایک شخص کسی سوراخ سے آپ کے مکان میں جھانک رہا تھا آپ نے اس پر تنبیہ کی اور فرمایا انما جعل الاستیذان من اجل البصر۔ اجازت حاصل کرنے کا حکم تو اسی لیے دیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص دفعتاً بلا اطلاع مکان میں داخل ہو جائے تو نہ معلوم صاحب خانہ پر کس حالت میں اس کی نظر پڑے۔ جب علت اس حکم کی یہ ہے تو باہر سے کسی کو جھانکنا کس طرح جائز ہوگا۔ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث سے بہت بڑی اصل فقہاء کے ہاتھ میں دیدی کہ جب کسی حکم شرعی کی علت پر اطلاع ہو جائے تو حکم شرعی صرف مخصوص الفاظ اور مورد نص پر مقصور نہیں رہتا بلکہ جہاں کہیں اس علت کا تحقق ہو بشرط عدم موانع وہیں حکم بھی ثابت ہو جائے گا۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ واقعہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کو حکم دیا۔ لا یصلین احدکم العصر الا فی بنی قریظۃ تم میں سے کوئی شخص نماز عصر بنی قریظہ پہونچنے سے پہلے نہ پڑھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم روانہ ہوئے مگر راستہ میں اندیشہ ہوا کہ وہاں پہنچتے پہنچتے عصر کا وقت فوت ہو جائے گا۔ ایک جماعت نے ظاہر حدیث پر عمل کیا اور بنی قریظہ پہنچکر نماز قضا کی لیکن فقہائے صحابہ نے فرمایا کہ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی علت کیا ہے۔ آپ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ہم نماز قضا کریں بلکہ منشاء مبارک یہ تھا کہ اتنی تیزی سے چلیں کہ وہاں پہنچکر نماز پڑھنے کی نوبت آئے

اب اگر ایسا نہ ہو سکا تو فوت کرنے کی ضرورت نہیں۔ نماز پڑھیں اور امکانی سرعت کے ساتھ منزل مقصود
کو پہنچیں۔ واپس ہو کر بارگاہ نبوت میں سب ماجرا سنایا گیا۔ آپ نے کسی جماعت کے رویہ پر انکار نہیں
فرمایا۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ لایصلین احد کم العصر الا فی بنی قریظة جیسی نص صریح اور
خطاب شفاہی کی کتنے جلیل القدر صحابہؓ نے بظاہر خلاف ورزی کی لیکن اہل بصیرت سمجھتے ہیں کہ اس حکم
کی علت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حقیقتاً و معناً خلاف ورزی نہیں تھی بلکہ حکم کے منشاء اصلی کا مجتہدانہ امتثال تھا

پس ان نظائر کے بعد ان نصوص شرعیہ کی موجودگی میں جو ہم مستورات کے باہر نکلنے کے متعلق
پہلے پیش کر چکے ہیں کیا کوئی عقلمند یہ کہنے کی جرات کر سکتا ہے کہ جو علماء و فقہا مختلف اقوام کے احوال پر
نظر کر کے مسئلہ حجاب میں بظاہر کچھ تشدد برت رہے ہیں وہ منشاء نبوی و بیوتھن خیر لھن کو پورا
نہیں کر رہے ہیں؟ بیشک حضور نے صاف لفظوں میں یہ نہیں فرمایا کہ عورتوں کو کسی حالت میں بھی
گھر سے مت نکلنے دو۔ لیکن اس نکلنے پر جو قیود و شروط عائد کی ہیں اور ان سب کے بعد بھی بار بار آپ نے
جس طرح اپنی مرضی مبارک کا اظہار فرمایا ہے ان کا سرسری مطالعہ ہی ہمارے دل میں یہ یقین
پیدا کر سکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جماعت کے حامی ہرگز نہیں ہو سکتے جو مستورات کو
مکان سے باہر نکلنے کی ترغیب دے رہی ہے۔ حضورؐ کے ایک ایک لفظ اور ہر ہر فقرے سے یہی ترشح ہوتا ہے
کہ اگرچہ آپ مستورات کو بہت سی قیود کے باوجود زبان مبارک سے تصریحاً روکنا نہیں چاہتے مگر یہ ضرور
چاہتے ہیں کہ خود مستورات آپ کی مرضی مبارک پر مطلع ہو کر باہر نکلنے سے رک جائیں۔ حضرت عمرؓ
نے حضور کے منشاء کو بلا کم و کاست سمجھا۔ ان کی بیوی عائکہ بنت زید ان کے ساتھ مسجد میں جاتی
تھیں۔ حضرت عمرؓ کو یہ سخت ناگوار تھا۔ آپ نے ان کو گاہ بگاہ اس کراہت پر مطلع بھی کر دیا
مگر اس خدا کی بندی کو یہی اصرار رہا کہ جبتک حضرت عمرؓ صاف الفاظ میں مجھکو منع نہیں کریں گے
میں باز نہیں آؤں گی۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا احساس اس مسئلہ میں بہت زیادہ قوی اور

صحیح تھا۔ اور بالخصوص نسوانی مسائل میں ان سے بڑھ کر اسرار شریعت کا راز داں اور کون ہو سکتا ہے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صاف اعلان فرما دیا کہ

لو ان رسول اللہِ رای ما احدث النساء بعد؛ لمنعھن کما منعت نساء بنی اسرائیل۔

اگر آج حضور عورتوں کی حالت کو ملاحظہ فرماتے تو بنی اسرائیل کی عورتوں کی طرح ان کو باہر نکلنے سے صاف طور پر منع فرماتے۔

ایک منٹ کے لیے بھی یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا شریعت محمدیہ کو معاذ اللہ ناتمکمل یا قابل ترمیم تصور کرتی ہیں بلکہ اس کے برعکس وہ ہمکو متنبہ فرماتی ہیں کہ شریعت محمدیہ اس قدر کامل اور دائمی شریعت ہے اور حضور کے ارشادات ایسی جامع عمیق اور ابدی ہدایت اپنے اندر رکھتے ہیں کہ زمانہ کے انقلابات کوئی رنگ بھی اختیار کرلیں ایک صاحب بصیرت پھر بھی انہی ارشادات کی روشنی میں یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ اگر آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں رونق افروز ہوتے تو ان حالات کے سلسلہ میں کیا کیا احکام صادر فرماتے یقیناً آپ کی تعلیمات تنصیصاً یا تعلیلاً قیامت تک پیش آنے والے حوادث وواقعات پر حاوی ہیں۔

پردہ کے مسئلہ میں بھی جو قیود آپ نے خواتین اسلام کی آبرو اور شریفانہ اخلاق کی حفاظت کی غرض سے لگائیں اور جس جس عنوان سے اپنی مرضی اور منشار کا اظہار فرمایا وہ وَقَرنَ فِی بیوتکن کی ابدی اور اٹل تفسیر ہے جس سے علمار ربانین کو بہت واضح طور پر سبق دیا گیا ہے کہ جب مستورات ان شروط وقیود کی پابندی نہ کریں اور مسلمان مرد عورتوں کو آزادی دلانے کے جنون یا ہوا پرست اقوام کی حرص میں حضور کے منشار مبارک کو پس پشت ڈال دیں تو نبی کے وارثوں کا اس وقت کیا مسلک ہونا چاہیے۔ کیا نوع انسانی یا اس کی کسی خاص صنف کو آزادی دلانے کی خواہش تمہارے دل میں حضرت عمرؓ سے زائد ہے یا

تمہاری سوسائٹی عائشہ رضی اللہ عنہا کی سوسائٹی سے بہتر ہے۔ یاد رکھیے کہ جس چیز کو آج ہم عورتوں کی آزادی کے نام سے پکار رہے ہیں وہ فی الحقیقت بربادی ہے۔ کیا ہم پردہ توڑ کر اُن کو پاکیزہ اخلاق، شریفانہ عفت وحیا اور نسبتاً بے لوث زندگی سے آزادی دلانا چاہتے ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ پردہ عورت کے لیے بڑی قید ہے لیکن کیا کیا جائے کہ مشرق کی شریف عورتیں ابھی تک اس قید کو مغرب کی آزادی پر ترجیح دیتی ہیں اور اس قید کے سوا مہلک اختلاطِ اَجانب کو روکنے کی اور کوئی تدبیر بھی نہیں ہے۔ تماشہ ہے کہ جس وقت مغرب عورتوں کی آزادی اور پردہ دری کے عواقب سے تنگ آکر اپنی اخلاقی تباہ حالی پر ماتم کرنے لگا، وہاں کے اجتماعی مدبرین اس حریت اور بے حجابی کی تدریجی ترقی کے خوفناک مستقبل پر شور مچانے لگے، اس وقت ہمارے مشرق کے مصلحین کو یہ خیال آیا کہ پردہ کے خلاف جہاد کرنا ہی شائد ہماری تمام ترقیات اور کامیابیوں کا زینہ ہے۔ گویا انہوں نے ہر طرف ناکام ہو کر اپنی ساری امیدیں بقول اکبر مرحوم صرف اسی ایک مصرعہ سے وابستہ کر دیں۔ ع

زنے از پردہ بروں آید و کارے بکند

ایسے لوگوں کو یورپ کے ایک بہت بڑے فلسوف کا یہ قول ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ "جو آزادی تم عورتوں کے نام سے طلب کرتے ہو یہ آزادی نہیں بلکہ ان کے حق میں دائمی بدبختی اور حرمان کی قانونی دستاویز ہے"۔ لاروس نے فرنچ انسائیکلو پیڈیا میں تو یہاں تک لکھدیا ہے کہ

"رومۃ الکبریٰ کی تباہی کا اصلی سبب ہی عورتوں کی آزادی اور اُن کو ان کی خواہشات پر چھوڑ دینا تھا"۔

بہر حال ان کا حشر تو کچھ بھی ہو تاہم یہ قطعی بات ہے کہ اہل اسلام کو اسلامی تعلیم اور نبی اسلام کی مرضیات کو چھوڑ کر کبھی ترقی اور کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہم اس وقت یورپ اور

امریکہ کی حیاسوز معاشرت کی طرف ابتدائی قدم اٹھا رہے ہیں اور ابھی دور سے اس کے استقبال کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ وہ ہرگز ہم کو فلاح و نجات دلانے والی نہیں ہے۔ ہماری ہر قسم کی عزت صرف اسلام کی رسی کو مضبوط تھام لینے اور اخلاق محمدی کو مضبوط پکڑنے میں ہے۔ کاش حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ ہر وقت ہمارے پیش نظر رہیں کہ یا ابا عبیدۃ انکم کنتم اذل الناس واحقر الناس فاعزکم اللہ بالاسلام فمھما تطلبوا العزۃ بغیر اللہ یذلکم اللہ "اے ابوعبیدہ تم دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل حقیر اور کمتر تھے اللہ نے اسلام کے ذریعہ سے تمہاری عزت بڑھائی۔ پس جب کبھی تم غیر اللہ کے ذریعہ سے عزت حاصل کروگے خدا تم کو ذلیل کرے گا۔" العیاذ باللہ۔ فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم۔

"سچ" کے بجائے "صدق"

یکم مئی ۳۵ء ۲۷ ۱۳۵۴ھ ۲۰ پونڈ سفید چکنے کاغذ پر ہر مہینہ کی یکم۔ گیارہ اور اکیس کو شائع ہوتا ہے ہم کو معلوم ہے کہ صاحب ذوق حضرات جو مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے طرز انشاء کے عاشق ہیں اور آپ کے مخصوص دلنشین طرز صحافت کیلئے اخبار سچ کے بند ہونے کے بعد سے بیتاب تھے۔ اس مژدہ کو صحیح معنوں میں مژدہ سمجھیں گے لیکن چونکہ ہمارے پاس اخبار سچ کے خریداروں کی مکمل فہرست موجود نہیں ہے اس وجہ سے ہم فرداً فرداً خریداران سچ کو نمونہ روانہ کرسکے۔ لہٰذا شائقین حضرات اپنا اپنا چندہ قیمتی چار روپیہ جلد از جلد روانہ فرما کر خریداران کے رجسٹر میں اپنا نام درج کرالیں ورنہ بعد کو پچھلے پرچہ دستیاب نہ ہونے پر پچھتانا پڑے گا۔ "صدق" ہر اعتبار سے سچ سے بڑھا ہوا ہے۔ معنوی حیثیت سے مضامین قرآنی کا اضافہ۔

سالانہ چندہ (للعہ) ترسیل زر بنام منیجر اخبار صدق ۴۳ ہیوٹ روڈ لکھنؤ

رسائل و مسائل

مکتوب مکشوف

از جناب مولٰنا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند

مولانا المکرم دام فضلکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ ۔ نے مشرف فرمایا تھا۔ جس کا اجمالی جواب بطور رسید اور وصولیابی والا نامہ ارسال کرچکا ہوں ۔اس میں وعدہ کیا تھا کہ بعد میں حقیقت حال کا اظہار کروں گا مضمون ترجمان القرآن "فتنہ تکفیر" اول سے آخر تک پڑھا ۔ پرخلوص تنبیہی والا نامہ اور اس پرخلوص پرتذکیر مضمون پر دل سے شکریہ عرض ہے ۔ جناب نے حق نصیحت ادا فرمایا جزاکم اللہ عنا خیرا۔

فتوٰی معلومہ "الاصلاح" کے سلسلہ میں سب سے اول علامہ سید سلیمان ندوی کا مضمون "غوغائے تکفیر" اس کے بعد جناب کا مضمون "فتنۂ تکفیر" اس کے بعد وہ سلسلہ مراسلت جو ابھی حال میں محترم بندہ جناب مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی سلمہ اللہ تعالٰی اور مولانا سید سلیمان ندوی کے درمیان جاری ہے اس ناکارہ کی نظر سے گذرا ۔ تینوں تحریرات بحمد اللہ نیک نیتی اور انصاف و اخلاص سے پر ہیں اس لیے ناممکن تھا کہ قلب ان سے اثر لیے بغیر رہتا ۔ چنانچہ ہر سہ تحریرات کے مطالعہ سے ناگزیر ہوگیا کہ میں اپنی اس تحریر کو جو فتوٰی کی تائید میں لکھی گئی اور رسالہ الاصلاح میں شائع ہوئی ہے نظر ثانی کروں ۔ تحریر مذکور کے الفاظ بجنسہ حسب ذیل ہیں ۔

"جو حالات و خیالات استفتاء میں ظاہر کیے گئے ہیں وہ سراسر منافیٔ دین و دیانت اور الحاد و زندقہ ہیں مجیب مصیب نے جو کچھ فتوٰی میں ظاہر فرمایا ہے وہ سراسر حق و صداقت ہے"

اس مشروط عبارت میں حکم صرف اُن حالات وخیالات پر دائر ہے جو استفتاء میں ظاہر کیے گئے ہیں۔ اُن ہی خیالات کو الحاد و زندقہ اور اُن ہی خیالات کی صحت و قوع پر الافصاح کے فتویٰ کی تصویب کی گئی ہے۔ اس کا حاصل حقیقتاً وہی نکلتا ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں منقول ہے کہ "بہ یکفرون ہو کافر"۔ جناب نے بھی ترجمان القرآن کے اس مضمون محولہ بالا میں ص ۲۱ پر کفر و تکفیر کی بحث کرتے ہوئے یہی فرمایا ہے کہ اگر محتاط اہل علم نے کسی اہل قبلہ میں گمراہی کی کوئی بات دیکھی تو برملا کہا کہ "یہ کافرانہ اور ملحدانہ مقالات ہیں" یا "مشرکانہ اور کافرانہ اعمال ہیں" لیکن ان مقالات و افعال کے مرتکب کو "کافر یا مشرک کہہ دینے میں انہوں نے کبھی جرأت سے کام نہیں لیا"۔ احقر کی غرض بھی اس تائید عبارت سے اس کے سوا کچھ نہیں تھی جو جناب کا نظریہ اس مضمون سے واضح ہو رہا ہے۔ اس لیے اسے تکفیر اشخاص کے لیے استعمال کیا جانا کم ازکم صاحب عبارت کی مراد سے بہت آگے بڑھ جانا ہے۔

عبارت کا موضوع لہٰذا صرف خیالات کو ملحدانہ ظاہر کرنا ہے اور بس۔ اور جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں اصل مجیب کا بھی یہی مقصود ہے جیسا کہ عبارت فتویٰ سے ظاہر ہے۔

اب صرف دو چیزیں رہ جاتی ہیں ایک یہ کہ آیا ایسی عبارت اور خیالات ملحدانہ ہیں یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ یہ خیالات جو ان عبارات سے مفہوم ہو رہے ہیں مولانا شبلی اور مولانا حمید الدین رحمہا اللہ کے تھے بھی یا نہیں؟۔ سو ظاہر ہے کہ اس قسم کے خیالات کا ملحدانہ ہونا کھلا ہوا ہے جیسا کہ الافصاح میں سلف کی متعدد عبارتوں سے واضح کیا گیا ہے۔ نیز جناب کو اور علامہ سلیمان ندوی کو بھی ان خیالات کے ملحدانہ ہونے میں کلام نہیں ورنہ ان کے معارض دوسری عبارتیں پیش کر کے پہلی عبارتوں کی توجیہ نہ فرمائی جاتی بلکہ سیدھے طور پر خیالات کی تصویب کر دی جاتی۔ ہٰذا اس حد تک تو جناب کو بھی اس ناکارہ سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ نہ ان خیالات کے الحاد ہونے میں اور نہ ان خیالات و مقالات کو الحاد ظاہر کرنے میں۔

نزاعی چیز صرف یہ رہ جاتی ہے کہ اس قسم کے خیالات ان بزرگوں کے تھے بھی یا نہیں۔؟
ارباب فتوی نے مولانا شبلی کی الکلام اور علم الکلام وغیرہ کی عبارتیں دیکھکر تبادر مفہوم کیساتھ یہی سمجھا کہ کہ یہ خیالات مولانا ممدوح کے تھے یہ مفہوم کسی ایک کا نہیں بلکہ متعدد اکابر علماء نے اور آج نہیں بلکہ بیسیوں برس پہلے جبکہ مولانا عماد الدین انصاری شیر کوٹی نے "علامۂ آخر الزمان" کے نام سے ایک رسالہ میں الکلام کی عبارتوں سے انہی خیالات کو مولانا شبلی کے عقائد سمجھا اور شائع کیا۔ نیز اسی الکلام وغیرہ کی عبارتوں سے حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صدر جمعیۃ علماء ہند کو بھی یہی خیالات بصورت عقائد مفہوم ہوئے اور اسی کو انہوں نے شائع فرما کر شرعی حکم ظاہر فرمایا۔ بالکل اسی طرح آج بھی متعدد علماء نے وہی سمجھا جو تبادر کیساتھ پہلی جماعت نے سمجھا تھا جس سے یہ اندازہ لگا لینا کچھ دشوار نہیں کہ مولانا شبلی کی ان عبارتوں سے تبادر کے طریق پر یا اول وہلہ یہ خیالات بصورت عقائد ہی مفہوم ہوتے ہیں اور علما کو اشکال میں ڈالتے ہیں۔ اور عوام تو نہ معلوم کس حد تک گمراہ ہو جاتے ہوں گے۔؟

ادھر جناب والا اور علامہ سید سلیمان ندوی الکلام کی دوسری عبارتیں نقل فرما کر یہ ثابت فرما رہے ہیں کہ یہ مذکورہ خیالات خود مولانا شبلی کے نہ تھے بلکہ ان کے الفاظ میں ملحدوں کے خیالات تھے جو تردید کے لیے الکلام میں نقل کیے گئے ہیں۔ اب ارباب فتوی اور آپ حضرات کے یہ نظریے دیکھ لینے کے بعد عرض ہے کہ ان مذکورۂ الافصاح عبارتوں کا سیاق و سباق گو اس تفسیر سے آبی ہے جو جناب فرما رہے ہیں۔ نیز یہ دوسری معارض عبارتیں بھی خود ان پہلی عبارتوں کی تفسیر نہیں ہیں، تاہم معارض ضرور ہیں ادھر مولانا شبلی کی وہ آخری تحریر جو مولانا سید سلیمان نے "غوغار تکفیر" میں شائع فرمائی ہے ان خیالات کی پوری تردید کر رہی ہے جو الکلام کی پہلی عبارتوں سے مفہوم ہوتے ہیں اس لیے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اس آخری تحریر اور ان معارض عبارتوں کو پہلی عبارات کے لیے یا ناسخ سمجھا جائے یا ان کی تاویل۔ اور دونوں صورتوں میں عبارات الکلام کے ان مفہومات سے (جو بوجہ

تبادر ذہن علماء کے لیے باعث خلجان بنے ہوئے ہیں، بمنزلہ رجوع کے ہوگی۔ اس لیے میں بھی اپنی اُس عبارت سے جس میں التزاماً کوئی تکفیر تھی ہاں لزوماً کفر ضرور تھا رجوع کرتا ہوں اُن خیالات کو الحاد کہتے ہوئے مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی آخری تحریر کی بنا پر ان خیالات سے بری سمجھتا ہوں۔

مگر آپ حضرات کے لیے مناسب بلکہ ضروری ہے کہ عبارات الکلام کی جن توجیہات کی طرف آپ حضرات کی توجہ اس فتوی کے سبب منعطف ہوئی اور آپ نے بعض عبارتیں ایسی پیش فرمائیں جو ابھی تک منظر عام پر نہ تھیں اب الکلام کے ساتھ بطور مقدمہ یا ضمیمہ ضرور شائع فرما دی جاویں تاکہ مصنف کے کلام کی توجیہ خود مصنف ہی کی عبارت سے لوگ سمجھ سکیں اور آئندہ کوئی مغالطہ میں مبتلا نہ ہو۔

اسی طرح مولانا حمید الدین صاحب کی جو زیر بحث عبارات اب تک منظر عام پر آئی ہیں اُن سے متبادر طریق پر وہی خیالات مفہوم ہوتے ہیں جو ارباب فتوی نے سمجھے ہیں۔ اگر وہ مفہوم غلط ہے جیسا کہ جناب اور مولانا سید سلیمان یہ کہکر ظاہر فرما رہے ہیں کہ وہ عبارات ایک خام یادداشت اور غیر صاف شدہ مسودہ سے لی گئی ہیں جو ناتمام اور ادائے مقصود میں کوتاہ ہیں تو اس کی ذمہ داری شائع کنندوں پر عائد ہوتی ہے۔ کیا ضرورت تھی کہ ایسی ناتمام اور موہوم عبارتیں شائع کرکے عوام وخواص کو مغالطوں میں مبتلا کیا جائے۔

لیکن بہرحال جبکہ مولانا مرحوم کے متبعین اور صحبت یافتہ ان کی اصل مراد اور حقیقی خیالات کو براہ راست انہی سے سنکر ظاہر فرما رہے ہیں کہ وہ ان خیالات کو اپنے خیالات نہیں سمجھتے تھے جو ان ناقص عبارتوں سے مفہوم ہوئے اس لیے میں مولانا ممدوح کے حق میں بھی اس عبارت فتوی سے رجوع کرتا ہوں، مگر اس کے متعلق بھی وہی عرض ہے کہ اب ان عبارات کے ساتھ ایک ضمیمہ ضرور شائع کردیا جائے جس میں ان خلل کا سدباب ہو جن سے ایسے مفہومات کو راہ ملے۔

میں آخر میں جناب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جناب اور مولانا سید سلیمان نے ایک عالم اسلام کی جائز نصرت کا فریضہ ادا کرتے ہوئے متعدد علماء امت کو بہت سے ایسے مفاسد سے بچا لیا جو غلط فہمی کی بناء پر است میں شائع ہوتے اور اس کا فتنہ خواص و عوام سب کی طرف رجوع کرتا۔ مگر اس بچاؤ کی بقا صرف اسی صورت میں ہے کہ الکلام اور اس مذکورہ خام یادداشت کا تتمہ او ضمیمہ جلد سے جلد شائع کر دیا جائے۔ والسلام مع الوف التحیۃ والاکرام۔

انا العبد الضعیف

محمد طیب غفرلہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲۵ رجمادی الثانیہ ۵۵ ۱۳ھ

بچوں کے لئے مفید کتابیں

سراپائے رسول اس مختصر سی کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک اور آپ کے عادات و خصائل لباس، معاشرت، اخلاق آداب و اطوار اور عام طرز زندگی کے متعلق تمام معلومات جمع کی گئی ہیں اور ان کو بہت سہل زبان اور دلکش انداز بیان میں لکھا گیا ہے بجیبی تقطیع پر بہت خوبصورت طبع ہو رہی ہے۔

ہمارے نبی کے صحابہ اس کتاب میں صحابہ کرام کی زندگی کے سبق آموز واقعات نہایت سلیس زبان اور دلنشین انداز بیان کے ساتھ درج کئے گئے ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ بزرگوں کے اخلاق، دینداری، حسن معاشرت اور نیک معاملات کا حال معلوم ہوتا ہے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔

قیمت ۸ر جلد۔ ۶ر کلدار علاوہ محصول ڈاک

مسلمان بی بیاں یہ کتاب "ہمارے نبی کے صحابہ" کی طرح صحابیہ خواتین کے حالات پر مشتمل ہے جس میں ان مقدس ہستیوں کی دینداری حسن اخلاق اور خانگی زندگی میں ان کے نیک برتاؤ کے واقعات بیان کئے گئے ہیں مسلمان بچیوں کے لئے یہ کتاب شمع ہدایت ہے اور بہت سادہ زبان میں لکھی گئی ہے قیمت ۸ر جلد ۶ر کلدار علاوہ محصول ڈاک۔ دفتر ترجمان القرآن سے طلب کیجئے

سود، پردہ، طلاق اور مہر

(۹)

(سلسلۂ جمادی الاولی ۱۳۵۵ھ ہجری)

تعزیری قانون اسلام کے تعزیری قانون کا اصل الاصول یہ ہے کہ انسان کو سیاست کے شکنجہ میں صرف اسی وقت کسا جائے جبکہ وہ نظام تمدن کو برباد کرنے والی کسی حرکت کا بالفعل مرتکب ہو جائے اور جب وہ ایسا کرے تو اس کو خفیف سزا دے کر گناہ کرنے اور سزا بھگتنے کا خوگر بنانا درست نہیں۔ ثبوت جرم کی شرائط بہت سخت رکھو[۴]، لوگوں کو حدود قانون کی زد میں آنے سے جہاں تک ممکن ہو بچاؤ[۵]، مگر جب کوئی شخص قانون کی زد میں آجائے تو اسے ایسی سخت سزا دو کہ نہ صرف وہ خود اس جرم کے اعادہ سے عاجز ہو جائے بلکہ دوسرے ہزاروں انسان بھی جو اس فعل کی جانب اقدام کرنے والے ہوں، اس عبرتناک سزا کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جائیں کیونکہ قانون کا مقصد سوسائٹی کو جرائم سے پاک کرنا ہے نہ یہ کہ لوگ بار بار جرم کریں اور بار بار سزا بھگتیں۔

---

[۴] اسلامی قانون شہادت کے متعلق یہ امر مسلم ہے کہ اس سے زیادہ سخت اور منصفانہ قانون دنیا کی کسی قوم کے پاس نہیں۔ اس قانون میں ثبوت جرم کی شرائط عموماً نہایت سخت ہیں، مگر جرم زنا کے ثبوت کی شرطیں سب سے زیادہ سخت رکھی گئی ہیں۔ عام طور پر تمام معاملات کے لیے اسلامی قانون صرف دو گواہوں کو کافی سمجھتا ہے، مگر زنا کے لیے کم از کم چار گواہ ضروری قرار دیے گئے ہیں۔ وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ (النساء: ۳)۔

[۵] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ادرأوا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فان كان له مخرج فخلوا سبيله فان الامام ان يخطئ في العفو خير من ان يخطئ في العقوبة (ترمذی ابواب الحدود) مسلمانوں کو سزا سے بچاؤ جہاں تک ممکن ہو۔ اگر اس کے لیے براءت کی کوئی صورت ہے تو اسے چھوڑ دو کیونکہ امام کا غلطی سے معاف کر دینا اس سے بہتر ہے کہ وہ غلطی سے کسی کو سزا دے۔

نظامِ معاشرت کی حفاظت کے لیے اسلامی تعزیرات نے جن افعال کو جرم مستلزم سزا قرار دیا ہے وہ صرف دو ہیں۔ ایک زنا۔ دوسرے قذف۔

زنا کے متعلق ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اخلاقی حیثیت سے یہ فعل انسان کی انتہائی پستی کا نتیجہ ہے۔ جو شخص اس کا ارتکاب کرتا ہے وہ دراصل اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ اس کی انسانیت حیوانیت سے مغلوب ہو چکی ہے اور وہ انسانی سوسائٹی کا ایک صالح رکن بن کر نہیں رہ سکتا۔ اجتماعی نقطۂ نظر سے یہ ان عظیم ترین جرائم میں سے ایک ہے جو انسانی تمدن کی عین بنیاد پر حملہ کرتے ہیں۔ ان وجوہ سے اسلام نے اس کو بجائے خود ایک قابلِ تعزیر جرم قرار دیا ہے، خواہ اس کے ساتھ جبر و اکراہ یا کسی دوسرے شخص کی حق تلفی شریک ہو یا نہ ہو۔ قرآن مجید کا حکم یہ ہے کہ:۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ (النور: ۱)۔

زناکار عورت اور زناکار مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور اللہ کے دین میں تم کو ان پر ہرگز رحم نہ کھانا چاہیے اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ اور جب ان کو سزا دی جائے تو مسلمانوں میں سے ایک جماعت ان کو دیکھنے کے لیے حاضر رہے۔

اس باب میں اسلامی قانون اور مغربی قانون میں بہت بڑا اختلاف ہے۔ مغربی قانون زنا کو بجائے خود کوئی جرم نہیں سمجھتا۔ اس کی رو سے یہ فعل صرف اس وقت جرم ہوتا ہے جب اس کا ارتکاب جبر و اکراہ کے ساتھ کیا جائے یا کسی ایسی عورت کے ساتھ کیا جائے جو دوسرے شخص کے نکاح میں ہو۔ بالفاظِ دیگر اس قانون کی نگاہ میں زنا جرم نہیں ہے بلکہ جبر اور حق تلفی جرم ہے۔ بخلاف اس کے اسلامی قانون کی نظر میں یہ فعل خود ایک جرم ہے، اور جبر و اکراہ یا حقِ غیر میں مداخلت سے اس پر ایک اور جرم کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سزا کے باب میں بھی دونوں کے طریقے مختلف ہیں۔ مغربی قانون زنا

بالجبر میں صرف سزائے قید پر اکتفا کرتا ہے، اور منکوحہ عورت کے ساتھ زنا کرنے پر صرف عورت کے شوہر کو تاوان کا مستحق قرار دیتا ہے۔ یہ سزا جرم کو روکنے والی نہیں بلکہ لوگوں کو اور جرأت دلانے والی ہے۔ اسی لیے اُن ممالک میں جہاں یہ قانون رائج ہے زنا کا ارتکاب بڑھتا چلا جارہا ہے۔ اس کے مقابلہ میں اسلامی قانون زنا پر ایسی سخت سزا دیتا ہے جو سوسائٹی کو اس جرم اور ایسے مجرموں سے ایک طویل مدت کے لیے پاک کر دیتی ہے۔ جن ممالک میں زنا پر یہ سزا دی گئی ہے وہاں اس فعل کا ارتکاب کبھی عام نہیں ہوا، بلکہ ایک مرتبہ حد شرعی کے جاری ہو جانے سے پورے ملک کی آبادی پر ایسی ہیبت چھا گئی ہے کہ برسوں تک کوئی شخص اس کے ارتکاب کی جرأت نہیں کر سکا ہے۔

مغربی ضمیر سو کوڑوں کی سزا پر نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ انسان کو جسمانی تکلیف پہنچانا پسند نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اس کے اخلاقی شعور کا نشوونما ابھی تک ناقص ہے وہ زنا کو پہلے صرف ایک عیب سمجھتا تھا اور اب اسے محض ایک کھیل، ایک دلچسپ کھیل سمجھتا ہے جس سے دو انسان تھوڑی دیر کے لیے اپنا دل بہلا لیتے ہیں وہ چاہتا ہے کہ قانون اس فعل سے روا داری برتے، اور اس وقت تک کوئی باز پرس نہ کرے جب تک کہ وہ دوسرے شخص کی آزادی یا اس کے قانونی حقوق میں خلل انداز نہ ہو۔ پھر اس خلل اندازی کی صورت میں بھی وہ اس کو ایک ایسا جرم سمجھتا ہے جس سے صرف ایک شخص کے حقوق متاثر ہوتے ہیں، اس لیے معمولی سزا یا تاوان اس کے نزدیک ایسے جرم کی کافی سزا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص زنا کا یہ تصور رکھتا ہو وہ اس فعل پر سو دُروں کی سزا کو ایک ظالمانہ سزا ہی سمجھے گا۔ مگر جب اس کا اخلاقی و اجتماعی شعور ترقی کرے گا اور اس کو معلوم ہوگا کہ زنا خواہ بالرضا ہو یا بالجبر، اور خواہ محصنہ کے ساتھ ہو یا غیر محصنہ کے ساتھ، بہر حال وہ ایک اجتماعی جرم ہے، اور پوری سوسائٹی پر اس کے نقصانات عائد ہوتے ہیں تو سزا کے متعلق بھی اس کا نظریہ خود بخود بدل جائے گا۔ اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ سوسائٹی کو ان نقصانات سے بچانا ضروری ہے۔ اور چونکہ زنا کی تحریک

کرنے والے اسباب انسان کی حیوانی جبلت میں نہایت گہری جڑیں رکھتے ہیں اور ان جڑوں کو محض قید و بند اور مالی تاوان کے زور سے نہیں اکھاڑا جاسکتا، لہٰذا اس کا سد باب کرنے کے لیے شدید تدابیر استعمال کیے بغیر چارہ نہیں۔ ایک شخص یا دو شخصوں کو شدید جسمانی آزار پہونچا کر لاکھوں اشخاص کو بے شمار اخلاقی اور عمرانی مضرتوں سے بچا دینا اس سے بہتر ہے کہ مجرموں کو تکلیف سے بچا کر ان کی پوری قوم کو ایسے نقصانات میں مبتلا کیا جائے جو آنے والی بے گناہ نسلوں تک بھی متوارث ہونے والے ہوں۔

زنا کے جو نقصانات ہیں، انہی سے ملتے جلتے نقصانات تہمت زنا (قذف) کے بھی ہیں۔ کسی شریف عورت پر زنا کی جھوٹی تہمت لگانا تنہا اسی ایک کے لیے بدنامی کا موجب نہیں بلکہ اس سے خاندانوں میں دشمنی پھیلتی ہے، انساب مشتبہ ہو جاتے ہیں، ازدواجی تعلقات میں خرابی واقع ہوتی ہے، اور ایک شخص محض ایک مرتبہ زبان ہلا کر بیسیوں انسانوں کو برسوں کے لیے مبتلائے عذاب کر دیتا ہے۔ قرآن نے اس جرم کے لیے بھی سخت سزا تجویز کی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ (النور: ۱)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر الزام لگائیں پھر چار گواہ اس کے ثبوت میں نہ پیش کریں ان کو اسّی کوڑے لگاؤ اور آیندہ کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو ایسے لوگ خود ہی بدکار ہیں۔

انسدادی تدابیر اس طرح اسلام کا قانونِ فوجداری اپنی سیاسی طاقت سے ایک طرف تو بدکاری کو زبردستی روک دیتا ہے۔ اور دوسری طرف سوسائٹی کے شریف ارکان کو بدنیت لوگوں کی بدزبانی سے بھی محفوظ کر دیتا ہے۔ اسلام کی اخلاقی تعلیم انسان کو اندر سے درست کرتی ہے تاکہ اس میں بدی اور گناہ کی طرف رجحان ہی پیدا نہ ہو۔ اور اس کا تعزیری قانون اس کو باہر سے درست کرتا ہے، تاکہ اخلاقی تربیت کے ناقص رہ جانے سے اگر اس قسم کے رجحانات پیدا ہو جائیں، اور وہ قوت سے فعل میں آنے لگیں

تو ان کو یکسر روک دیا جائے۔ ان دونوں تدبیروں کے درمیان چند مزید تدبیریں اس غرض کے لیے اختیار کی گئی ہیں کہ اصلاحِ باطن کی اخلاقی تعلیم کے لیے مددگار ہوں۔ ان تدبیروں سے نظامِ معاشرت کو اس طرح مرتب کیا گیا ہے کہ اخلاقی تربیت کے نقائص سے جو کمزوریاں افرادِ جماعت میں باقی رہ جائیں ان کو ترقی کرنے اور قوت سے فعل میں آنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ سوسائٹی میں ایک ایسا ماحول پیدا کر دیا جائے جس میں بُرے میلانات کو نشوونما دینے والی آب و ہوا مفقود ہو، ہیجان انگیز تحریکات ناپید ہوں، صنفی انتشار کے اسباب انتہائی ممکن حد تک کم ہو جائیں، اور ایسی تمام صورتوں کا سدباب ہو جائے جن سے نظامِ تمدن میں برہمی پیدا ہونے کا امکان ہو۔

اب ہم تفصیل کے ساتھ ان تدبیروں میں سے ایک ایک کو بیان کرتے ہیں۔

لباس اور ستر کے احکام اصلاحِ معاشرت کے سلسلہ میں اسلام کا پہلا کام یہ ہے کہ اس نے برہنگی کا استیصال کیا اور مردوں اور عورتوں کے لیے ستر کے حدود مقرر کر دیے۔ اس باب میں عرب جاہلیت کا جو حال تھا، آج کل کی مہذب ترین قوموں کا حال اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ وہ ایک دوسرے کے سامنے بے تکلف ننگے ہو جاتے تھے۔[1] غسل اور قضاءِ حاجت میں پردہ کرنا ان کے نزدیک غیر ضروری تھا۔ کعبہ کا طواف بالکل برہنہ ہو کر کیا جاتا تھا اور اسے ایک اچھی عبادت سمجھا جاتا تھا۔[2] عورتیں تک طواف کے وقت برہنہ ہو جاتی تھیں۔[3] ان کی عورتوں کا لباس ایسا تھا جس میں سینہ کا کچھ حصہ کھلا رہتا تھا اور بازو و کمر اور پنڈلیوں کے بھی بعض حصے کھل جاتے تھے۔[4] بالکل یہی کیفیت آج یورپ، امریکہ اور جاپان

---

[1] حدیث میں آیا ہے کہ حضرت مسور بن مخرمہ ایک مرتبہ ایک پتھر اٹھائے ہوئے آ رہے تھے۔ راستہ میں تہ بند کھل کر گر پڑا۔ وہ اسی حال میں پتھر اٹھائے چلے آئے۔ آنحضرت نے دیکھا تو فرمایا کہ جاؤ۔ پہلے اپنا جسم ڈھانکو اور ننگے نہ پھرا کرو (مسلم باب الاعتناء بحفظ العورہ)۔ [2] ابن عباس، مجاہد، طاؤس اور زہری کی متفقہ روایات ہے کہ کعبہ کا طواف برہنگی کی حالت میں کیا جاتا تھا۔ [3] مسلم کتاب التفسیر میں عرب کی یہ رسم بیان کی گئی ہے کہ ایک عورت برہنہ ہو کر طواف کرتی، پھر حاضرین سے کہتی کہ کون مجھکو ایک کپڑا دیتا ہے تاکہ میں اس سے اپنا بدن ڈھانکوں۔ اس طرح مانگنے والی کو کپڑا دینا ایک ثواب کا کام سمجھا جاتا تھا۔ [4] تفسیر کبیر۔ آیہ ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن۔

کی بھی ہے، اور مشرقی ممالک میں بھی کوئی نظام معاشرت ایسا نہیں ہے جس میں کشف و ستر کے حدود باقاعدہ مقرر کیے گئے ہوں۔

اسلام نے اس باب میں انسان کو تہذیب کا پہلا سبق دیا۔ اس نے بتایا کہ :-

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا۔ (الاعراف: ۳)

اے اولاد آدم اللہ نے تم پر لباس اسی لیے اتارا ہے کہ تمہارے جسموں کو ڈھانکے اور تمہارے لیے موجب زینت ہو۔

اس آیت کی رو سے جسم ڈھانکنے کو ہر مرد و عورت کے لیے فرض کر دیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت احکام دیے کہ کوئی شخص کسی کے سامنے برہنہ نہ ہو :-

ملعون من نظر الی سوأۃ اخیہ (احکام القرآن للجصاص)

ملعون ہے وہ جو اپنے بھائی کے ستر پر نظر ڈالے۔

لا ینظر الرجل الی عورۃ الرجل ولا المرأۃ الی عورۃ المرأۃ (باب تحریم النظر الی العورات)

کوئی مرد کسی مرد کو اور کوئی عورت کسی عورت کو برہنہ نہ دیکھے۔

ایاکم والتعری فان معکم من لا یفارقکم الا عند الغائط وحین یفضی الرجل الی اھلہ (ترمذی باب ما جاء فی الاستتار)

خبردار کبھی برہنہ نہ رہو کیونکہ تمہارے ساتھ وہ ہے جو تم سے کبھی جدا نہیں ہوتا سوائے قضاء حاجت اور مباشرت کے وقت کے۔

اذا اتی احدکم اھلہ فلیستتر ولا یتجرد تجرد العیرین (ابن ماجہ باب التستر عند الجماع)

جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے تو اس وقت بھی ستر ڈھانکے اور بالکل گدھوں کی طرح ننگا نہ ہو جائے۔

مردوں کے لیے ستر کے حدود

ان احکام کے ساتھ عورتوں اور مردوں کے لیے جسم ڈھانکنے کے حدود الگ الگ مقرر کیے گئے۔ اصطلاح شرعی میں جسم کے اس حصہ کو "ستر" کہتے ہیں جس کا ڈھانکنا فرض ہے۔ مردوں کے لیے ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ "ستر" قرار دیا گیا، اور حکم دیا گیا کہ اس کو نہ کسی کے سامنے کھولیں نہ کسی دوسرے شخص کے اس حصہ پر نظر ڈالیں۔

عن ابی ایوب الانصاری عن النبی صلعم ما فوق الرکبتین من العورۃ و اسفل من السرۃ من العورۃ (دار قطنی) — جو کچھ گھٹنے کے اوپر ہے وہ چھپانے کے لائق ہے اور جو کچھ ناف سے نیچے ہے وہ چھپانے کے لائق ہے۔

عن علی ابن ابی طالب عن النبی صلعم: لا تبرز فخذ ك ولا تنظر الی فخذ حی ولا میت (تفسیر کبیر آیۂ قل للمومنین یغضوا من ابصارھم) — اپنی ران کو کسی کے سامنے نہ کھول اور نہ کسی زندہ یا مردہ شخص کی ران پر نظر ڈال۔

یہ حکم عام ہے جس سے بیویوں کے سوا اور کوئی مستثنیٰ نہیں، چنانچہ حدیث میں ہے۔

احفظ عورتك الا من زوجتك او ما ملكت یمینك (احکام القرآن للجصاص جلد ۳ صـ۳۷) — اپنے ستر کی حفاظت کرو بجز اپنی بیویوں کے اور ان لونڈیوں کے جو تمہارے تصرف میں ہوں۔

عورتوں کے لیے ستر کے حدود — عورتوں کے لیے ستر کے حدود اس سے زیادہ وسیع رکھے گئے۔ ان کو حکم دیا گیا کہ اپنے چہرے اور ہاتھوں کے سوا تمام جسم کو تمام لوگوں سے چھپائیں، خواہ وہ محرم ہی کیوں نہ ہوں۔ اس حکم عام سے بجز شوہر کے اور کوئی مستثنیٰ نہیں۔

لا یحل لامراۃ تومن باللہ والیوم الاخر ان تخرج یدا ھا الا الی ھاھنا وقبض نصف الذراع۔ (ابن جریر) — نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی ایسی عورت کے لیے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتی ہو جائز نہیں کہ وہ اپنا ہاتھ اس سے زیادہ کھولے۔ یہ کہکر آپ نے اپنی کلائی کے نصف حصہ پر ہاتھ رکھا۔

الجاریۃ اذا حاضت لم یصلح ان یری منھا الا وجھھا ویدیھا الی المفصل (ابوداود) — لڑکی جب بالغ ہو جائے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آنا چاہیے سوائے چہرے اور کلائی کے جوڑ تک ہاتھ کے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں اپنے بھتیجے عبداللہ بن الطفیل کے سامنے زینت کے ساتھ آئی تو نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس کو ناپسند کیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو میرا بھتیجا ہے۔ حضور نے فرمایا۔

اذا عرکت المرأۃ لم یحل لہا ان تظہر الا وجہہا والا ما دون ہذا وقبض علی ذراع نفسہ فترک بین قبضتہ و بین الکف مثل قبضۃ اخری (ابن جریر)۔

جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اپنے جسم میں سے کچھ ظاہر کرے سوائے چہرے کے اور سوائے اس کے یہ کہکر آپ نے اپنی کلائی پر اس طرح ہاتھ رکھا کہ آپ کی گرفت کے مقام اور ہتیلی کے درمیان صرف ایک مٹھی بھر جگہ باقی تھی۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی تھیں، ایک مرتبہ آپ کے سامنے باریک لباس پہنکر حاضر ہوئیں اس حال میں کہ جسم اندر سے جھلک رہا تھا۔ حضور نے فوراً نظر پھیر لی اور فرمایا:۔

یا اسماء ان المرأۃ اذا بلغت المحیض لم یصلح ان یریٰ منہا الا ہذا وہذا واشار الی وجہہ وکفہ (تکملہ فتح القدیر)

اے اسماء عورت جب سن بلوغ کو پہنچ جائے تو درست نہیں کہ اس کے جسم میں سے کچھ دیکھا جائے بجز اس کے اور اس کے یہ کہکر آپ نے اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

حفصہ بنت عبد الرحمٰن حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور وہ ایک باریک دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھیں، حضرت عائشہ نے اس کو پھاڑ دیا اور ایک موٹی اوڑھنی ان پر ڈالی (موطا امام مالک)

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کے سوا عورت کا پورا جسم ستر میں داخل ہے جس کو اپنے گھر میں اپنے قریب ترین عزیزوں سے بھی چھپانا اس پر واجب ہے۔ وہ شوہر کے سوا کسی کے سامنے اپنے ستر کو نہیں کھول سکتی خواہ وہ اس کا باپ بھائی یا بھتیجا ہی کیوں نہ ہو حتیٰ کہ وہ ایسا باریک لباس بھی نہیں پہن سکتی جس میں سے ستر نمایاں ہوتا ہو۔

اس باب میں جتنے احکام ہیں وہ سب جوان عورت کے لیے ہیں۔ ستر کے احکام کی ابتدا اس

زمانہ سے ہوتی ہے جب عورت سن رشد کے قریب پہنچ جائے پھر جب وہ عمر کے اُس دور میں داخل ہو جس میں صنفی کشش مفقود ہو جاتی ہے تو ان احکام میں بھی بہت کچھ تخفیف کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَةٍ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ (النور: ۸)

اور بڑی بوڑھی عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں اگر اپنے کپڑے اتار رکھا کریں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ اپنی زینت کی نمائش مقصود نہ ہو، اور اگر وہ احتیاط رکھیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔

یہاں تخفیف کی علت صاف بیان کر دی گئی ہے۔ نکاح کی امید باقی نہ رہنے سے ایسی عمر مراد ہے جس میں صنفی خواہشات فنا ہو جاتی ہیں اور کوئی کشش بھی نہیں رہتی۔ تاہم مزید احتیاط کے طور پر یہ شرط لگا دی گئی کہ زینت کی نمائش مقصود نہ ہو۔ یعنی اگر صنفی خواہشات کی ایک چنگاری بھی سینہ میں باقی ہو، تو دوپٹہ وغیرہ اتار کر بیٹھنا درست نہیں۔ تخفیف صرف ان بڑی بوڑھیوں کے لیے ہے جن کو سن رسیدگی نے لباس کی قیود سے بے پروا کر دیا ہو اور جن کی طرف بجز احترام کی نظروں کے اور کسی قسم کی نظریں اٹھنے کا کوئی امکان نہ ہو۔ ایسی عورتیں گھر میں بغیر دوپٹے اور اوڑھنی کے بھی رہ سکتی ہیں۔

استیذان اس کے بعد دوسری حد یہ قائم کی گئی کہ گھر کے آدمیوں کو بلا اطلاع اچانک گھروں میں داخل ہونے سے منع کر دیا گیا تاکہ وہ عورتوں کو کسی ایسے حال میں نہ دیکھیں جس میں مردوں کو انھیں نہ دیکھنا چاہیے۔

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْکُمُ الْحُلُمَ فَلْیَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور: ۸)

اور جب تمہارے لڑکے سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو چاہیے کہ وہ اسی طرح اجازت لے کر گھر میں آئیں جس طرح

ان کے بڑے ان سے پہلے اجازت لے کر آتے تھے۔

یہاں بھی علت حکم پر روشنی ڈال دی گئی۔ استیذان کی حد اسی وقت سے شروع ہوتی ہے، جبکہ صنفی احساس پیدا ہو جائے۔ اس سے پہلے اجازت مانگنا ضروری نہیں۔

اس کے ساتھ غیر لوگوں کو بھی حکم دیا گیا ہے کہ کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہوں۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰى أَهْلِهَا۔ (النور: ۴)۔

اے اہل ایمان! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ اہل خانہ سے پوچھ نہ لو اور جب داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو۔

اصل مقصد اندرون خانہ اور بیرون خانہ کے درمیان حد بندی کرنا ہے تاکہ اپنی خانگی زندگی میں عورتیں اور مرد اجنبیوں کی نظروں سے محفوظ رہیں۔ اہل عرب ابتدا میں ان احکام کی علت کو نہیں سمجھتے تھے، اس لیے بسا اوقات وہ گھر کے باہر سے گھروں میں جھانک لیتے تھے۔ ایک مرتبہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آیا۔ آپ اپنے حجرہ میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک شخص نے تابدان میں سے جھانکا۔ اس پر آپ نے فرمایا "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو جھانک رہا ہے تو میں تیری آنکھ میں کوئی چیز چبھو دیتا۔ استیذان کا حکم تو نظروں سے بچانے ہی کے لیے دیا گیا ہے"۔[1] اس کے بعد آپ نے اعلان فرمایا کہ "اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں بلا اجازت دیکھے، تو گھر والوں کو حق ہے کہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں"۔[2]

پھر اجنبی مردوں کو حکم دیا گیا کہ کسی دوسرے کے گھر سے کوئی چیز مانگنی ہو تو گھروں میں نہ چلے جائیں بلکہ باہر پردے کی اوٹ سے مانگیں:۔

وَإِذَا سَأَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ اور جب تم عورتوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کی اوٹ

[1] بخاری۔ باب الاستیذان من اجل البصر۔ [2] مسلم باب تحریم النظر فی بیت غیرہ

مِن وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِکُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوبِکُمْ وَقُلُوبِهِنَّ (الاحزاب : ۷) سے مانگو۔ اس میں تمہارے دلوں کے لیے بھی زیادہ پاکیزگی ہے اور ان کے دلوں کے لیے بھی۔

یہاں بھی حدبندی کے مقصد پر ذالکم اطہر لقلوبکم وقلوبھن سے پوری روشنی ڈال دی گئی ہے عورتوں اور مردوں کو صنفی میلانات اور تحریکات سے بچانا ہی اصل مقصود ہے۔ اور یہ حدبندیاں اسی لیے کی جارہی ہیں کہ عورتوں اور مردوں کے درمیان خلا ملا اور بے تکلفی نہ ہونے پائے یہ احکام صرف اجانب ہی کے لیے نہیں بلکہ گھر کے خدام کے لیے بھی ہیں۔ چنانچہ روایت میں آیا ہے کہ حضرت بلال یا حضرت انس نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے کسی بچے کو مانگا تو آپ نے پردہ کے پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر دیا، حالانکہ یہ دونوں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام خاص تھے، اور آپ کے پاس گھر والوں کی طرح رہتے تھے۔

تخلیہ اور لمس کی ممانعت تیسری حدبندی یہ کی گئی کہ شوہر کے سوا کوئی مرد کسی عورت کے پاس نہ تخلیہ میں رہے اور نہ اس کے جسم کو مس کرے۔ خواہ وہ قریب ترین عزیز ہی کیوں نہ ہو۔

عن عقبة بن عامر ان رسول اللہ صلعم قال ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل من الانصار یا رسول اللہ افرأیت الحمو. قال الحمو الموت[۱]

عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا خبردار عورتوں کے پاس تنہائی میں نہ جاؤ۔ انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ دیور اور جیٹھ کے متعلق کیا ارشاد ہے۔ فرمایا وہ تو موت ہے۔

لاتلجوا علی المغیبات فان الشیطان یجری من احدکم مجری الدم[۲]

شوہروں کے غیاب میں عورتوں کے پاس نہ جاؤ کیونکہ شیطان تم میں سے کسی کے اندر خون کی طرح گردش کر رہا ہے

---

[۱] فتح القدیر [۲] ترمذی باب ما جاء فی کراہتہ الدخول علی المغیبات۔ ا بخاری: باب لا یخلون رجل بامرأة الاذو محرم۔ ومسلم: باب تحریم الخلوة بالاجنبیة۔

[۳] ترمذی باب کراھیہ الدخول علی المغیبات۔

عن عمرو ابن عاص قال نهانا رسول الله صلعم ان ندخل على النساء بغير اذن ازواجهن[1]	عمرو بن عاص کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو عورتوں کے پاس ان کے شوہروں کی اجازت کے بغیر جانے سے منع فرمادیا۔
لا يدخلن رجل بعد يومى هذا على مغيبة الا ومعه رجل او اثنان (مسلم۔ باب تحريم الخلوة بالاجنبيه۔)	آج کے بعد سے کوئی شخص کسی عورت کے پاس اس کے شوہر کے غیاب میں نہ جائے تاوقتیکہ اس کے ساتھ ایک دو آدمی اور نہ ہوں۔

ایسے ہی احکام لمس کے متعلق بھی ہیں:۔

قال النبى صلعم من مس كف امرأة ليس منها بسبيل وضع على كفه جمرة يوم القيمة (تكملہ فتح القدير)۔	حضور نے فرمایا جو شخص کسی ایسی عورت کا ہاتھ چھوئیگا جس کے ساتھ اس کا جائز تعلق نہ ہو، اس کی ہتھیلی پر قیامت کے روز انگارا رکھا جائے گا۔

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے صرف زبانی اقرار لے کر بیعت لیا کرتے تھے۔ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں نہ لیتے تھے۔ آپ نے کبھی کسی ایسی عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا جو آپ کے نکاح میں نہ ہوتی[2]۔

اُمیمہ بنت رُقیقہ کا بیان ہے کہ میں چند عورتوں کے ساتھ حضور سے بیعت کرنے حاضر ہوی۔ آپ نے ہم سے اقرار لیا کہ شرک، چوری، زنا، بہتان تراشی و افترا پردازی اور حضور کی نافرمانی سے احتراز کریں گی جب اقرار ہوچکا تو ہم نے عرض کیا کہ تشریف لائیے تاکہ ہم آپ سے بیعت کریں۔ آپ نے فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔ صرف زبانی اقرار کافی ہے[3]۔

---

[1] ترمذی:۔ باب فی النہی عن الدخول علی النساء الا باذن ازواجہن۔ [2] بخاری باب بیعۃ النساء، مسلم باب کیفیت بیعۃ النساء۔ [3] نسائی باب بیعۃ النساء۔ ابن ماجہ باب بیعۃ النساء۔

یہ احکام بھی صرف جوان عورتوں کے لیے ہیں۔ سن رسیدہ عورتوں کے ساتھ خلوت میں بیٹھنا جائز ہے اور مس بھی ممنوع نہیں۔ فتح القدیر کے تکملہ میں جو روایات نقل کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوڑھی عورتوں سے بیعت لیتے وقت مصافحہ فرماتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے متعلق منقول ہے کہ وہ ایک قبیلہ میں جاتے تھے جہاں انہوں نے دودھ پیا تھا اور وہاں کی بوڑھی عورتوں سے مصافحہ کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے متعلق یہ روایت ہے کہ وہ ایک بوڑھی عورت سے پاؤں اور سر دبوایا کرتے تھے۔ یہ امتیاز جو بوڑھی اور جوان عورتوں کے درمیان کیا گیا ہے، خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دراصل دونوں صنفوں کے درمیان ایسے اختلاط کو روکنا مقصود ہے جو فتنے کا سبب بن سکتا ہو۔

محرموں اور غیر محرموں کے درمیان فرق یہ تو وہ احکام تھے جن میں شوہر کے سوا تمام مرد شامل ہیں خواہ وہ محرم ہوں یا غیر محرم۔ عورت ان میں سے کسی کے سامنے اپنا ستر یعنی چہرے اور ہاتھ کے سوا جسم کا کوئی حصہ نہیں کھول سکتی (بالکل اسی طرح جس طرح مرد کسی کے سامنے اپنا ستر یعنی ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ نہیں کھول سکتا) سب مردوں کو گھر میں اجازت لے کر داخل ہونا چاہیے اور ان میں سے کسی کا عورت کے پاس خلوت میں بیٹھنا یا اس کے جسم کو ہاتھ لگانا جائز نہیں۔

اس کے بعد محرموں اور غیر محرموں کے درمیان تفریق کی جاتی ہے۔ قرآن اور حدیث میں تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ آزادی اور بے تکلفی کے کونسے مدارج ایسے ہیں جو صرف محرم مردوں کے سامنے برتے جا سکتے ہیں اور غیر محرم مردوں کے سامنے برتنے جائز نہیں ہیں۔ یہی چیز ہے جس کو عرف عام میں پردہ یا حجاب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

احکام حجاب قرآن مجید کی جن آیات میں حجاب کے احکام وارد ہوئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:-

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ اے نبی! مومن مردوں سے کہدو کہ اپنی نگاہیں پست

وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۔ وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ۔ (النور : ۴)
يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ ل

رکھیں اور اپنی عصمت اور عفت کی حفاظت کریں یہ
ان کے لیے زیادہ پاکیزگی کا طریقہ ہے اور اللہ جانتا ہے
جو کچھ وہ کرتے ہیں اور مومن عورتوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں پست رکھیں اور اپنی عفت
کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کا اظہار نہ کریں بجز
اس کے جو آپ زینت میں سے خود ظاہر ہو۔ اور وہ
اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل مار لیا کریں
اور اپنی زینت کو نہ ظاہر کریں مگر ان لوگوں کے سامنے
شوہر، باپ، خسر، بیٹے، سوتیلے بیٹے، بھائی، بھتیجے،
بھانجے، اپنی عورتیں، اپنی لونڈیاں اور غلام، وہ
مرد خدمت گار جو عورتوں سے کچھ مطلب نہیں رکھتے، یا
وہ لڑکے جو ابھی عورتوں کی پردے کی باتوں سے
آگاہ نہیں ہوئے ہیں۔ (نیز ان کو حکم دو کہ) وہ چلتے
وقت اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ مارتی چلیں کہ
جو زینت انھوں نے چھپا رکھی ہے اس کا اظہار ہو۔
اے نبی کی بیبیو! تم کچھ عام عورتوں کی طرح تو ہو نہیں اگر

ل اس آیت کے متعلق ہم اس سے پہلے تشریح کر چکے ہیں کہ اس کا حکم صرف ازواج مطہرات کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ تمام مسلمان عورتوں کے لیے عام ہے (ملاحظہ ہو ترجمان القرآن جلد ۸ عدد ۵ صفحہ ۳۴۴ و ۳۴۶) علامہ ابوبکر جصاص نے بھی احکام القرآن میں یہی رائے ظاہر کی ہے وهذا الحكم وان نزل خاصاً في النبي صلى الله عليه وسلم وازواجه فالمعنى عام فيه وفي غيره اذ كنا مامورين باتباعه والاقتداء به الا ما خصه الله به دون امته (جلد سوم، صفحہ ۴۵۵)
یعنی یہ حکم اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج کے حق میں نازل ہوا ہے مگر اس کی مراد عام ہے جس میں آپ اور دوسرے مسلمان سب شریک ہیں کیونکہ ہم آپ کے اتباع اور پیروی پر مامور ہیں بجز ان امور کے جن کو اللہ نے آپ کے لیے خاص کر دیا ہے۔

إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا. وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ۔ (الاحزاب: ۴)

تمہیں پرہیزگاری منظور ہے تو دبی زبان سے بات نہ کرو کہ جس شخص کے دل میں کوئی خرابی ہے وہ تم سے کچھ توقعات وابستہ کر بیٹھے بات سیدھی سادی طرح کرو اور اپنے گھروں میں جمی بیٹھی رہو اور اگلے زمانۂ جاہلیت کے سے بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ (الاحزاب، ۸)۔

اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہدو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں، اس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ پہچانی جائیں گی اور ان کو ستایا نہ جائے گا۔

ان آیات پر غور کیجیے۔ مردوں کو توصرف اتنی تاکید کی گئی ہے کہ اپنی نگاہیں پست رکھیں اور فواحش سے اپنے اخلاق کی حفاظت کریں۔ مگر عورتوں کو مردوں ہی کی طرح ان دونوں چیزوں کا حکم دینے کے بعد معاشرت اور برتاؤ کے باب میں مزید چند ہدایتیں بھی دی گئی ہیں، جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے اخلاق کی حفاظت کے لیے صرف غضِ بصر اور حفظ فروج کی کوشش کافی نہیں بلکہ ان سب ہدایات پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ اب ہم کو دیکھنا چاہیے کہ ان مجمل ہدایات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے اسلامی معاشرت میں عملاً کس طرح نافذ کیا ہے، اور ان کے اقوال و اعمال سے ان ہدایات کی معنوی اور عملی تفصیلات پر کیا روشنی پڑتی ہے۔

غضِ بصر | سب سے پہلا حکم جو مردوں اور عورتوں کو دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ غضِ بصر کرو۔ عموماً اس کا ترجمہ "نظریں نیچی رکھو" یا "نگاہیں پست رکھو" کیا جاتا ہے۔ مگر اس سے پورا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ حکم الٰہی کا اصل مقصد یہ نہیں ہے کہ لوگ ہر وقت نیچے ہی دیکھتے رہیں اور کبھی اوپر نظر ہی نہ اٹھائیں

مدعا دراصل یہ ہے کہ اُس چیز سے پرہیز کرو جس کو حدیث میں آنکھوں کی زنا کہا گیا ہے۔ اجنبی عورتوں کے حسن اور زینت کی دید سے لذت اندوز ہونا مردوں کے لیے اور اجنبی مردوں کو مطمح نظر بنانا عورتوں کے لیے فتنہ کا موجب ہے، اور فساد کی ابتدا طبعاً و عادتاً یہیں سے ہوتی ہے، اس لیے سب سے پہلے اسی دروازے کو بند کیا گیا ہے، اور یہی غضِ بصر کی مراد ہے۔ یہاں شارع نے انسان کی طبعی و عادی ضرورتوں، اور زنانہ و مردانہ فطرت کی خصوصیات کو ملحوظ رکھ کر غضِ بصر کے لیے جو حدود مقرر کیے ہیں وہ غایت درجہ حکمت پر مبنی ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ جب انسان آنکھیں کھول کر دنیا میں رہے گا تو سب ہی چیزوں پر اس کی نظر پڑے گی۔ یہ تو ممکن نہیں کہ کوئی مرد کسی عورت کو اور کوئی عورت کسی مرد کو دیکھے ہی نہیں۔ شارع نے اس کے متعلق فرمایا کہ اچانک نظر پڑ جائے تو معاف ہے۔ دراصل جو چیز ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ ایک نگاہ میں جہاں تم کو حسن محسوس ہو وہاں دوبارہ نظر دوڑاؤ اور اس کو ہدف نظر بناؤ۔

عن جریر قال سألت رسول اللہ صلعم عن نظر الفجأۃ فقال اصرف بصرك (ابوداؤد۔ باب مایومر بہ عن غض البصر)	حضرت جریر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اچانک نظر پڑ جائے تو کیا کروں آپ نے فرمایا نظر پھیر لو۔
عن بریدۃ قال رسول اللہ صلعم لعلی یا علی لاتتبع النظرۃ النظرۃ فان لك الاولیٰ ولیس لك الآخرۃ (ابو داؤد۔ باب مذکور)۔	حضرت بریدہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا اے علی ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو پہلی نظر تمہیں معاف ہے مگر دوسری نظر کی اجازت نہیں۔
عن النبی صلعم انہ قال من نظر الی محاسن امرأۃ اجنبیۃ عن شھوۃ صب	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی اجنبی عورت کے محاسن پر شہوت کی نظر ڈالے گا قیامت کے روز

فی عینیہ الآنك یوم القیامۃ (تکملہ فتح القدیر)۔

اس کی آنکھوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔

مگر بعض مواقع ایسے بھی آتے ہیں جن میں اجنبیہ کو دیکھنا ضروری ہوجاتا ہے۔ مثلاً کوئی مریضہ کسی طبیب کے زیر علاج ہو، یا کوئی عورت کسی مقدمہ میں قاضی کے سامنے بحیثیت گواہ یا بحیثیت فریق پیش ہو، یا کسی آتش زدہ مقام میں کوئی عورت گھر گئی ہو، یا پانی میں ڈوب رہی ہو، یا اس کی جان یا آبرو کسی خطرہ میں مبتلا ہو۔ ایسی صورتوں میں چہرہ تو درکنار حسب ضرورت ستر کو بھی دیکھا جاسکتا ہے جسم کو ہاتھ بھی لگایا جاسکتا ہے بلکہ ڈوبتی ہوئی یا جلتی ہوئی عورت کو گود میں اٹھا کر باہر نکال لانا بھی صرف جائز نہیں فرض ہے۔ شارع کا حکم یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں جہاں تک ممکن ہو اپنی نیت کو پاک رکھو۔ لیکن اقتضائے بشریت سے اگر جذبات میں کوئی خفیف سی تحریک بھی پیدا ہوجائے، تب بھی کوئی گناہ نہیں کیونکہ ایسی نظر اور ایسے لمس کے لیے ضرورت داعی ہوئی ہے، اور فطرت کے مقتضیات کو بالکل روک دینے پر انسان قادر نہیں ہے[1]۔

اسی طرح اجنبی عورت کو نکاح کے لیے دیکھنا اور تفصیلی نظر کے ساتھ دیکھنا نہ صرف جائز ہے بلکہ احادیث میں اس کا حکم وارد ہوا ہے، اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غرض کے لیے عورت کو دیکھا ہے۔

عن المغیرۃ بن شعبۃ انہ خطب امرأۃ فقال النبی صلعم انظر الیھا فانہ احریٰ ان یودم بینکما (ترمذی۔ باب ماجاء فی النظر الی المخطوبۃ)

مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اس کو دیکھ لو کیونکہ یہ تم دونوں کے

[1] اس مضمون کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر امام رازی آیۂ قل للمومنین یغضوا من ابصارھم۔ احکام القرآن للجصاص، تفسیر آیۂ مذکورہ۔ تکملہ فتح القدیر فصل فی الوطء والنظر واللمس۔

درمیان محبت و اتفاق پیدا کرنے کے لیے مناسب ہو گا۔

عن سهل بن سعد ان امرأة جاءت الى رسول الله صلعم فقالت يا رسول الله جئت لاهب لك نفسي فنظر اليها رسول الله صلى الله عليه وسلم فصعد النظر اليها (بخاری باب النظر الى المرأة قبل التزويج)۔

سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی اور بولی کہ میں اپنے آپ کو حضور کے نکاح میں دینے کے لیے آئی ہوں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھائی اور اس کو دیکھا۔

عن ابی هريرة قال كنت عند النبي صلعم فاتاه رجل فاخبره انه تزوج امرأة من الانصار فقال له رسول الله صلعم انظرت اليها قال لا قال فاذهب فانظر اليها فان في اعين الانصار شيئا (مسلم باب ندب من اراد نكاح امرأة الى ان ينظر الى وجهها)۔

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے انصار میں سے ایک عورت کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا ہے۔ حضور نے پوچھا کیا تو نے اسے دیکھا ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا جا اور اس کو دیکھ لے، کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ عیب ہوتا ہے۔

عن جابر بن عبد الله قال رسول الله صلعم اذا خطب احدكم المرأة فان استطاع ان ينظر الى ما يدعوه الى نكاحها فليفعل (ابوداؤد۔ باب فی الرجل ينظر الى المرأة وهو يريد تزويجها)۔

جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے تو حتی الامکان اسے دیکھ لینا چاہیے کہ آیا اس میں کوئی ایسی چیز ہے جو اس کو اس عورت کے ساتھ نکاح کی طرف رغبت دلانے والی ہو۔

ان مستثنیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شارع کا مقصد دیکھنے کو کلیتہً روک دینا نہیں ہے بلکہ دراصل فتنے کا سد باب مقصود ہے، اور اس غرض کے لیے صرف ایسے دیکھنے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے جس کی کوئی حاجت بھی نہ ہو، اور جس کا کوئی تمدنی فائدہ بھی نہ ہو، اور جس میں جذبات شہوانی کو تحریک دینے کے اسباب بھی موجود ہوں یہ حکم جس طرح مردوں کے لیئے ہے اسیطرح عورتوں کے لیے بھی ہے۔ چنانچہ حدیث میں حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ وہ اور حضرت میمونہ[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھیں۔ اتنے میں حضرت ابن ام مکتوم آئے جو نابینا تھے۔ حضور نے فرمایا ان سے پردہ کرو۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا، کیا یہ نابینا نہیں ہیں؟ نہ وہ ہم کو دیکھیں گے، نہ ہمیں پہچانیں گے۔ حضور نے جواب دیا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم انہیں نہیں دیکھتی ہو[2]

مگر عورت کے مردوں کو دیکھنے اور مرد کے عورتوں کو دیکھنے میں نفسیات کے اعتبار سے ایک نازک فرق ہے۔ مرد کی فطرت میں اقدام ہے۔ کسی چیز کو پسند کرنے کے بعد وہ اس کے حصول کی سعی میں پیش قدمی کرتا ہے۔ مگر عورت کی فطرت میں تمانع اور فرار ہے جب تک کہ اس کی فطرت بالکل ہی مسخ نہ ہوجائے، وہ کبھی اس قدر دراز دست (اور جیسی بے باک) نہیں ہوسکتی کہ کسی کو پسند کرنے کے بعد خود اس کی طرف پیش قدمی کرے۔ شارع نے اس فرق کو ملحوظ رکھ کر عورتوں کے لیے نظر اجانب کے باب میں وہ سختی نہیں کی ہے جو مردوں کے لیے کی گئی ہے چنانچہ احادیث میں حضرت عائشہ کی یہ روایت مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے موقع پر ان کو خود حبشیوں کا تماشا دکھایا تھا[3]۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا مردوں کو دیکھنا

---

[1] دوسری روایت میں حضرت عائشہ کا ذکر ہے

[2] ترمذی باب ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال۔

[3] یہ روایت بخاری اور مسلم اور نسائی اور مسند احمد وغیرہ میں کئی طریقوں سے آئی ہے۔ بقیہ حاشیہ صفحہ ۲

مطلقاً ممنوع نہیں ہے، بلکہ ایک مجلس میں اجتماع اور نظر جما کر دیکھنا مکروہ ہے۔ اور ایسی نظر بھی جائز نہیں جس میں فتنے کا احتمال ہو۔ وہی نابینا صحابی، ابن ام مکتوم جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ کو پردہ کرنے کا حکم دیا تھا، ایک دوسرے موقع پر حضور انہی کے گھر میں حضرت فاطمہ بنت قیس کو عدت بسر کرنے کا حکم دیتے ہیں قاضی ابوبکر ابن العربی نے احکام القرآن میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے کہ فاطمہ بنت قیس اُمّ شریک کے گھر میں عدت گذارنا چاہتی تھیں۔ حضور نے فرمایا کہ اس گھر میں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ تم ابن ام مکتوم کے ہاں رہو کیونکہ وہ ایک اندھا آدمی ہے اور اس کے ہاں تم بے پردہ رہ سکتی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصد فتنے کے احتمالات کو کم کرنا ہے۔ جہاں فتنے کا احتمال زیادہ تھا وہاں رہنے سے منع فرما دیا۔ جہاں احتمال کم تھا وہاں رہنے کی اجازت دیدی کیونکہ بہر حال اس عورت کو کہیں رہنا ضرور تھا لیکن جہاں کوئی حاجت نہ تھی وہاں خواتین کو ایک غیر مرد کے ساتھ ایک مجلس میں جمع ہونے اور روبرو اس کو دیکھنے سے روک دیا۔

یہ سب مراتب حکمت پر مبنی ہیں، اور جو شخص مغز شریعت تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتا ہے، وہ بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ غضِّ بصر کے احکام کن مصالح پر مبنی ہیں اور ان مصالح کے لحاظ سے ان احکام میں شدت اور تخفیف کا مدار کن امور پر ہے۔ شارع تم کو نظر بازی سے روکنا چاہتا ہے۔ یہ آنکھیں ابتدا میں بڑی معصوم نگاہوں سے دیکھتی ہیں نفس کا شیطان ان کی تائید میں بڑے بڑے

تکملہ حاشیۂ صفحہ (۷۱) بعض لوگوں نے اس کی توجیہہ یہ کی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت عائشہ کم سن تھیں اور حجاب کے احکام نازل نہ ہوئے تھے مگر ابن حبان میں تصریح ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حبش کا وفد مدینہ آیا تھا۔ اور تاریخ سے ثابت ہے کہ اس وفد کی آمد ۷ھ میں ہوئی ہے اس لحاظ سے حضرت عائشہ کی عمر اس وقت پندرہ سولہ برس کی تھی نیز بخاری کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کو چادر سے ڈھانکے جاتے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ احکام حجاب بھی نازل ہو چکے تھے۔

پر قریب دلائل پیش کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ تو ذوق جمال ہے جو فطرت نے تم میں ودیعت کیا ہے
جمال فطرت کے دوسرے مظاہر کو جب تم دیکھتے ہو اور ان سے بہت ہی پاک لطف اٹھاتے ہو تو
جمال انسانی کو بھی دیکھو اور ویسا ہی روحانی لطف اٹھاؤ۔ مگر اندر ہی اندر یہ شیطان لطف اندوزی
کی نے کو بڑھاتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہی ذوق جمال ترقی کر کے شوقِ وصال بن جاتا
ہے۔ کون ہے جو اس حقیقت سے انکار کی جرأت رکھتا ہو کہ دنیا میں جس قدر بدکاری اب تک ہوئی
ہے اور اب ہو رہی ہے اس کا پہلا اور سب سے بڑا محرک یہی آنکھوں کا فتنہ ہے؟ کون یہ دعوی کر سکتا
ہے کہ اپنی صنف مقابل کے کسی حسین اور جوان فرد کو دیکھ کر اس میں وہی کیفیات پیدا ہوتی ہیں
جو ایک خوبصورت پھول کو دیکھ کر ہوتی ہیں؟ اگر دونوں قسم کی کیفیات میں فرق ہے اور ایک کے برخلاف
دوسری کیفیت کم و بیش شہوانی کیفیت ہے تو پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ایک ذوق جمال کے لیے بھی وہی آزادی ہونی
چاہیے جو دوسرے ذوق جمال کے لیے ہے۔ شارع تمہارے ذوق جمال کو مٹانا تو نہیں چاہتا۔ وہ کہتا
ہے کہ تم اپنی پسند کے مطابق اپنا ایک جوڑا انتخاب کر لو اور جمال کا جتنا ذوق تم میں ہے اس کا مرکز
صرف اسی ایک کو بنا لو۔ پھر جتنا چاہو اس سے لطف اٹھاؤ۔ اس مرکز سے ہٹ کر تم دیدہ بازی
کرو گے تو فواحش میں مبتلا ہو جاؤ گے، اگر ضبط نفس یا دوسرے موانع کی بنا پر آوارگیٔ عمل میں مبتلا
نہ بھی ہوئے تو آوارگیٔ خیال سے کبھی نہ بچ سکو گے۔ تمہاری بہت سی قوت آنکھوں کے رستے ضائع ہو گی
بہت سے ناکردہ گناہوں کی حسرت تمہارے دل کو ناپاک کرے گی بار بار فریب محبت میں مبتلا ہو گے اور
بہت سی راتیں بیداری کے خواب دیکھنے میں جاگ جاگ کر ضائع کرو گے۔ بہت سے حسین ناگوں اور
ناگنوں سے ڈسے جاؤ گے۔ تمہاری بہت سی قوتِ حیات دل کی دھڑکن اور خون کے ہیجان میں ضائع
ہو جائے گی۔ یہ نقصان کیا کچھ کم ہے؟ اور یہ سب اپنے مرکز دید سے ہٹ کر دیکھنے ہی کا نتیجہ ہے۔ لہذا اپنی
آنکھوں کو قابو میں رکھو۔ بغیر حاجت کے دیکھنا اور ایسا دیکھنا جو فتنے کا سبب بن سکتا ہو، قابل

حذر رہے اگر دیکھنے کی حقیقی ضرورت ہو یا اس کا کوئی تمدنی فائدہ ہو تو احتمالِ فتنہ کے باوجود دیکھنا جائز ہے۔ اور اگر حاجت نہ ہو لیکن فتنے کا بھی احتمال نہ ہو تو عورت کے لیے مرد کو دیکھنا جائز ہے۔ مگر مرد کے لیے عورت کو دیکھنا جائز نہیں الا یہ کہ اچانک نظر پڑ جائے۔

اظہار زینت کی ممانعت اور اس کے حدود غضِ بصر کا حکم عورت اور مرد دونوں کے لیے تھا۔ اس کے بعد چند احکام خاص عورتوں کے لیے ہیں۔ ان میں سے پہلا حکم یہ ہے کہ ایک محدود دائرے کے باہر اپنی "زینت" کے اظہار سے پرہیز کریں۔

اس حکم کے مقاصد اور اس کی تفصیلات پر غور کرنے سے پہلے اُن احکام کو پھر ایک مرتبہ ذہن میں تازہ کر لیجیے جو اس سے پہلے لباس اور ستر کے باب میں بیان ہو چکے ہیں۔ چہرے اور ہاتھوں کے سوا عورت کا پورا جسم ستر ہے جس کو باپ، چچا، بھائی اور بیٹے تک کے سامنے کھولنا جائز نہیں حتیٰ کہ عورت پر بھی عورت کے ستر کا کھلنا مکروہ ہے۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھنے کے بعد اظہار زینت کے حدود ملاحظہ کیجیے۔

عورت کو اجازت دی گئی ہے کہ اپنی زینت کو ان رشتہ داروں کے سامنے ظاہر کرے:

شوہر، باپ، خسر، بیٹے، سوتیلے بیٹے، بھائی، بھتیجے اور بھانجے۔

اس کو یہ بھی اجازت دی گئی ہے کہ اپنے لونڈی غلاموں کے سامنے اظہار زینت کرے۔

وہ ایسے مردوں کے سامنے بھی زینت کے ساتھ آ سکتی ہے جو عورتوں کی طرف رغبت نہیں رکھتے۔ قرآن میں ان کے لیے التابعین غیر اولی الاربۃ کے الفاظ آئے ہیں۔ تابع کا مفہوم ظاہر ہے۔ ہماری زبان میں لفظ "تابعدار" اسی معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اربہ کے معنی الحاجۃ فی النساء (عورتوں کی طرف میلان و رغبت) کے ہیں۔ پس شارع کی مراد یہ ہے کہ عورت ایسے مردوں کے سامنے بھی اظہار زینت کر سکتی ہے جو زیر دست ہوں اور اس کے ساتھ ان کے حالات سے بھی یہ ظاہر ہو کہ ان سے کسی فتنہ کا

اندیشہ نہیں ہے مثلاً بوڑھے فقراء و مساکین، یا ابلہ لوگ۔ شبہ ہو سکتا تھا کہ اس حکم میں مخنث بھی داخل ہیں۔ کیونکہ وہ جسمانی حیثیت سے فتنہ پیدا کرنے کے اہل ہی نہیں ہیں لیکن شارع نے ان کو اس اجازت سے خارج کر دیا۔ اس لیے کہ اگرچہ ان کی جسمانی اہلیت مفقود ہو جاتی ہے، مگر جذبات مفقود نہیں ہوتے اور وہ بآسانی فتنے پیدا کرنے کا وسیلہ بن سکتے ہیں۔ حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ام سلمہ کے پاس ایک مخنث بیٹھا تھا اور ان کے بھائی سے کہہ رہا تھا کہ اے عبداللہ اگر کل طائف فتح ہو گیا تو میں ایک بنت غیلان کا تمہیں پتہ دوں گا جو چار کے ساتھ آتی ہے اور آٹھ کے ساتھ پلٹتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گفتگو سن لی اور فرمایا کہ آیندہ سے یہ گھر میں نہ آئے۔[۱] حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ ازواج مطہرات کے پاس ایک مخنث آیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ ایک عورت کی صفت بیان کر رہا تھا۔ اتنے میں حضور تشریف لے آئے اور اس کی باتیں سن لیں۔ فرمایا میں سمجھتا ہوں کہ یہ عورتوں کے احوال سے واقف ہے، لہٰذا اب یہ تمہارے پاس نہ آئے۔ اس سے پردہ کرو۔[۲] ان واقعات کے بعد آنحضرت صلعم نے مخنثوں سے پردہ کرنے کا حکم دیدیا۔[۳]

عورت ایسے بچوں کے سامنے بھی اظہار زینت کر سکتی ہے جن میں ابھی صنفی احساسات پیدا نہ ہوئے ہوں۔ قرآن میں اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْہَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ فرمایا گیا ہے جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ایسے بچے جو ابھی عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے آگاہ نہ ہوئے ہوں۔

اپنے میل جول کی عورتوں کے سامنے بھی زینت کے ساتھ آنا جائز ہے۔ قرآن میں مطلقاً النساء (عورتوں) کے الفاظ نہیں کہے گئے بلکہ نساءھن (اپنی عورتوں) کے الفاظ کہے گئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ شریف عورتیں یا اپنے کنبے رشتے یا اپنے طبقہ کی عورتیں مراد ہیں۔ ان کے ماسوا غیر عورتیں جن میں ہر قسم کی اچھی اور بری، مجہول الحال اور مشتبہ کیرکٹر والیاں اور آوارہ و بدنام سب ہی شامل ہوتی ہیں اس اجازت سے خارج ہیں، کیونکہ وہ بھی فتنہ کا سبب بن سکتی ہیں۔ اسی بنا پر جب شام کے علاقہ

[۱] تفسیر کبیر آیۃ: التابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال۔ [۲] احکام القرآن للجصاص تفسیر آیہ مذکور۔
[۳] بخاری باب مانہی من دخول المتشبھین بالنساء علی المرأۃ۔

میں مسلمان گئے اور ان کی خواتین وہاں کی نصرانی و یہودی عورتوں کے ساتھ بے تکلفانہ ملنے لگیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امیر شام حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو لکھا کہ مسلمان عورتوں کو اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ حماموں میں جانے سے منع کر دو[۱]۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تصریح کی ہے کہ "مسلمان عورت کفار اور اہل الذمہ کی عورتوں کے سامنے اس سے زیادہ ظاہر نہیں کر سکتی جو اجنبی مردوں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے[۲]"۔ اس سے کوئی مذہبی امتیاز مقصود نہیں۔ بلکہ مسلمان عورتوں کو ایسی عورتوں کے اثرات سے بچانا مقصود ہے جن کے اخلاق اور تہذیب کا صحیح حال معلوم نہ ہو، یا جس حد تک معلوم ہو وہ اسلامی نقطۂ نظر سے قابل اعتراض ہو۔ رہیں وہ غیر مسلم عورتیں جو شریف اور باحیا اور نیک خصلت ہوں تو وہ نساءھن ہی میں شمار ہوں گی۔

ان حدود پر غور کرنے سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں :-

ایک یہ کہ وہ زینت جس کے اظہار کی اجازت اس محدود حلقہ میں دی گئی ہے، ستر عورت کے ماسوا ہے، مثلاً زیور پہننا، اچھے ملبوسات سے آراستہ ہونا، سرمہ اور حنا اور بالوں کی آرائش اور دوسری وہ تزئینات جن کو عورتیں اپنی انوثت کے اقتضاء سے اپنے گھر میں کرنے کی عادی ہوتی ہیں۔

دوسرے یہ کہ اس اظہار کی اجازت یا تو ان مردوں کے سامنے دی گئی ہے جن کو ابدی حرمت نے عورتوں کے لیے حرام کر دیا ہے، یا ان لوگوں کے سامنے جن کے اندر صنفی میلانات نہیں ہیں اور جو اخلاق کے اعتبار سے محفوظ ہیں۔ چنانچہ عورتوں کے لیے نساءھن کی قید ہے۔ تابعین کے لیے غیر اولی الاربہ کی قید ہے۔ بچوں کے لیے لم یظھروا علی عورات النساء کی شرط ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شارع کا منشا عورتوں کے اظہار زینت کو ایسے حلقہ میں محدود کرنا ہے جس میں ان کے حسن اور ان کی آرائش سے کسی قسم کے ناجائز جذبات پیدا ہونے، اور صنفی انتشار کے اسباب فراہم ہو جانے کا اندیشہ نہیں ہے۔

---

[۱] ابن جریر۔ تفسیر آیۂ مذکورہ۔ [۲] تفسیر کبیر آیۂ مذکورہ۔

اب اس حلقہ کے باہر جتنے لوگ ہیں ان کے بارے میں ارشاد ہے کہ ان کے سامنے اپنی زینت کا اظہار نہ کرو، بجز اس زینت کے جو خود ظاہر ہو جائے (الا ما ظھر منھا) بلکہ چلتے میں پاؤں بھی اس طرح نہ مارو کہ چھپی ہوئی زینت کا حال آواز سے ظاہر ہو اور توجہات تمہاری طرف منعطف ہوں۔ اس فرمان میں جس زینت کو اجانب سے چھپانے کا حکم دیا گیا ہے وہ وہی زینت ہے جس کو ظاہر کرنے کی اجازت اوپر کے محدود حلقہ میں دی گئی ہے مقصود بالکل واضح ہے۔ عورتیں اگر بن ٹھن کر ایسے لوگوں کے سامنے آئیں گی جو صنفی خواہشات رکھتے ہیں اور جن کے داعیات نفس کو ابدی حرمت نے پاکیزہ اور معصوم جذبات سے مبدل بھی نہیں کیا ہے تو لامحالہ اس کے اثرات وہی ہوں گے جو مقتضائے بشریت ہیں۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ ایسے اظہار زینت سے ہر عورت بالفعل فاحشہ ہو جائے گی اور ہر مرد بالفعل بدکار ہی بن کر رہے گا۔ مگر اس سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ زینت و آرائش کے ساتھ عورتوں کے علانیہ پھرنے اور محفلوں میں شریک ہونے سے بے شمار جلی اور خفی، نفسانی اور مادی نقصانات رونما ہوتے ہیں۔ آج یورپ اور امریکہ کی عورتیں اپنی اور اپنے شوہروں کی آمدنی کا بیشتر حصہ اپنی آرائش پر خرچ کر رہی ہیں اور روز بروز ان کا یہ خرچ اتنا بڑھتا چلا جا رہا ہے کہ ان کے معاشی وسائل اس کے تحمل کی قوت نہیں رکھتے[1]۔ کیا یہ جنون انہی پُر شوق نگاہوں نے پیدا نہیں کیا ہے جو بازاروں اور دفتروں اور سوسائٹی کے اجتماعات میں آراستہ خواتین کا استقبال کرتی ہیں؟ پھر غور کیجیے کہ آخر عورتوں میں آرائش کا اس قدر شوق پیدا ہونے اور طوفان کی طرح بڑھنے کا سبب کیا ہے؟ یہی نا کہ وہ مردوں سے خراج تحسین وصول کرنا اور ان کی نظروں میں کھب جانا چاہتی ہیں۔ یہ کس لیے؟ کیا یہ بالکل ہی معصوم جذبہ ہے؟ کیا اس کی تہ میں وہ صنفی خواہشات چھپی ہوئی نہیں ہیں جو اپنے فطری دائرے سے نکل کر پھیل جانا چاہتی ہیں اور جن کے مطالبات کا جواب دینے کے لیے دوسری جانب بھی

[1] حال میں کیمیاوی سامان بنانے والوں کی نمائش ہوئی تھی جس میں ماہرین کے بیانات سے معلوم ہوا کہ انگلستان کی عورتیں اپنے سنگھار پر دو کروڑ پونڈ اور امریکہ کی عورتیں ساڑھے بارہ کروڑ پونڈ سالانہ خرچ کرتی ہیں اور قریب قریب ۹۰ فی صدی عورتیں کسی نہ کسی طریقہ کے (Make-up) کی خوگر ہیں۔

ویسی ہی خواہشات موجود ہیں؟ اگر آپ اس سے انکار کریں گے تو شاید کل آپ یہ دعویٰ کرنے میں بھی تامل نہ کریں کہ جوالامکھی پہاڑ پر جو دھواں نظر آتا ہے اس کی تہ میں کوئی لاوا باہر نکلنے کے لیے بے تاب نہیں۔ آپ اپنے عمل کے مختار ہیں، جو چاہیے کیجیے، مگر حقائق سے انکار نہ کیجیے۔ یہ حقیقتیں اب کچھ مستور بھی نہیں رہیں، سامنے آچکی ہیں اور اپنے نتائج، آفتاب سے زیادہ روشن نتائج کے ساتھ آچکی ہیں۔ آپ ان نتائج کو دانستہ یا نادانستہ قبول کرتے ہیں، مگر اسلام ان کو ٹھیک اسی مقام پر روک دینا چاہتا ہے جہاں سے ان کے ظہور کی ابتدا ہوتی ہے کیونکہ اس کی نظر اظہار زینت کے بظاہر معصوم آغاز پر نہیں بلکہ اس نہایت غیر معصوم انجام پر ہے جو تمام سوسائٹی پر قیامت کی سی تاریکی لے کر پھیل جاتا ہے۔ مثل الرافلۃ فی الزینۃ فی غیر اھلھا کمثل ظلمۃ یوم القیمۃ لا نور لھا[1]

لوگوں نے الا ما ظھر منھا سے بہت کچھ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ان الفاظ میں کچھ زیادہ فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہی نہیں۔ شارع صرف یہ کہتا ہے کہ تم غیروں کے سامنے اپنی زینت ظاہر نہ کرو، لیکن جو زینت خود ظاہر ہو جائے یا اضطراراً ظاہر ہی رہنے والی ہو اس کی تم پر کوئی ذمہ داری نہیں مطلب یہ ہوا کہ تمہاری نیت اظہار زینت کی نہ ہونی چاہیے۔ تم میں یہ جذبہ یہ ارادہ ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ اپنی آرائش غیروں کو دکھاؤ، یا اور کچھ نہیں تو چھپے ہوئے زیوروں کی جھنکار ہی سنا کر ان کی توجہ اپنی طرف مائل کرو۔ تم کو اخفائے زینت کی اختیاری کوشش کرنی چاہیے پھر اگر کوئی چیز اضطراراً کھل جائے تو اس پر خدا تم سے کوئی مواخذہ نہ کرے گا۔ تم جن کپڑوں میں زینت کو چھپاؤ گی وہ تو بہرحال ظاہر ہوں گے، تمہارا قد و قامت، تناسب جسمانی، ڈیل ڈول تو ان میں سے محسوس ہی ہو گا، کسی ضرورت یا کام کاج کے لیے کبھی ہاتھ یا چہرے کا کوئی حصہ تو کھولنا ہی پڑے گا۔ کوئی حرج نہیں اگر ایسا ہو۔ تمہاری نیت اس کے اظہار کی نہیں ہے، تم اس کے اظہار پر مجبور بھی ہو۔ اگر ان چیزوں سے بھی کوئی کمینہ لذت لیتا ہے

[1] اجنبیوں میں زینت کے ساتھ ناز و انداز سے چلنے والی عورت ایسی ہے جیسے روز قیامت کی تاریکی کہ اس میں کوئی نور نہیں (ترمذی باب ما جاء فی کراہیۃ خروج النساء فی الزینۃ)

تو لیا کرے۔ اپنی بدنیتی کی سزا وہ خود بھگتے گا۔ جتنی ذمہ داری تمدن اور اخلاق کی خاطر تم پر ڈالی گئی تھی اس کو تم نے اپنی حد تک پورا کر دیا۔

یہ ہے صحیح مفہوم اس آیت کا۔ مفسرین کے درمیان اس کے مفہوم میں جتنے اختلافات ہیں، ان سب پر جب آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ تمام اختلافات کے باوجود ان کے اقوال کا مفاد وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔

ابن مسعودؓ ابراہیم نخعی اور حسن بصری کے نزدیک زینت ظاہرہ سے مراد وہ کپڑے ہیں جن میں زینت باطنہ کو چھپایا جاتا ہے۔ ابن عباسؓ مجاہدؒ عطاءؒ، ابن عمرؓ، انسؓ، ضحاک، سعید بن جبیر، اوزاعی اور عامۂ حنفیہ کے نزدیک اس سے مراد چہرہ اور ہاتھ ہیں اور وہ اسباب زینت بھی اسی استثنا میں داخل ہیں جو چہرے اور ہاتھ میں عادۃً ہوتے ہیں، مثلاً ہاتھ کی حنا اور انگوٹھی اور آنکھوں کا سرمہ وغیرہ۔

سعید بن المُسَیَّب کے نزدیک صرف چہرہ مستثنیٰ ہے اور ایک قول حسن بصری سے بھی انکی تائید میں منقول ہے۔

حضرت عائشہؓ چہرہ چھپانے کی طرف مائل ہیں۔ ان کے نزدیک زینت ظاہرہ سے مراد ہاتھ اور چوڑیاں کنگن اور انگوٹھیاں ہیں۔

مِسْوَر بن مَخْرَمَہ اور قتادہ ہاتھوں کو ان کی زینت سمیت کھولنے کی اجازت دیتے ہیں مگر چہرے کے باب میں ان کے اقوال سے ایسا متبادر ہوتا ہے کہ پورے چہرے کے بجائے وہ صرف آنکھیں کھولنے کو جائز رکھتے ہیں۔[لہ]

ان اختلافات کے منشاء پر غور کیجیے۔ ان سب مفسرین نے الا ما ظہر منہا سے یہی سمجھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی زینت کو ظاہر کرنے کی اجازت دیتا ہے جو اضطراراً ظاہر ہو یا جس کو ظاہر کرنے کی ضرورت پیش آجائے۔ چہرے اور ہاتھوں کی نمائش اور ان کو مطمح انظار بنانا ان میں سے کسی کا بھی مقصود نہیں ہر ایک نے اپنے فہم اور عورتوں کی ضروریات کے لحاظ سے یہ سمجھنے کی کوشش کی ہے کہ ضرورت کس حد تک کس چیز کو بے حجاب کرنے کے لیے داعی ہوتی ہے یا کیا چیز اضطراراً کھل سکتی ہے، یا عادتاً کھلتی ہے۔

لہ یہ تمام اقوال علامہ ابن جریر اور علامہ جصاص کی احکام القرآن سے ماخوذ ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ آپ الا ما ظہر منہا کو ان میں سے کسی چیز کے ساتھ بھی مقید نہ کیجیے۔ ایک مومن عورت جو خدا اور رسول کے احکام کی سچے دل سے پابند رہنا چاہتی ہے، اور جس کو فتنے میں مبتلا ہونا منظور نہیں ہے، وہ خود اپنے حالات اور ضروریات کے لحاظ سے فیصلہ کر سکتی ہے کہ چہرہ اور ہاتھ کھولے یا نہیں، کب کھولے اور کب نہ کھولے، کس حد تک کھولے اور کس حد تک چھپائے۔ اس باب میں قطعی احکام نہ شارع نے دیے ہیں نہ اختلاف احوال وضروریات کو دیکھتے ہوئے یہ مقتضائے حکمت ہے کہ قطعی احکام وضع کیے جائیں۔ جو عورت اپنی حاجات کے لیے باہر جانے اور کام کاج کرنے پر مجبور ہے اس کو بہرحال ہاتھ بھی کھولنے کی ضرورت پیش آئے گی اور چہرہ بھی۔ ایسی عورت کے لیے بلحاظ ضرورت اجازت ہے۔ اور جس عورت کا حال یہ نہیں ہے اس کے لیے بلاضرورت قصداً کھولنا درست نہیں۔

پس شارع کا مقصد یہ ہے کہ اپنا حسن دکھانے کے لیے اگر کوئی چیز بے حجاب کی جائے تو یہ گناہ ہے۔ خود بخود بلا ارادہ کچھ ظاہر ہو جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ حقیقی ضرورت اگر کچھ کھولنے پر داعی ہو تو اس کا کھولنا بالکل جائز ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ اختلاف احوال سے قطع نظر کر کے نفس چہرہ کا کیا حکم ہے؟ شارع اس کے کھولنے کو پسند کرتا ہے یا ناپسند؟ اس کے اظہار کی اجازت محض ناگزیر ضرورت کے طور پر دی گئی ہے یا اس کے نزدیک چہرہ غیروں سے چھپانے کی چیز ہی نہیں؟ ان سوالات پر سورہ احزاب والی آیت سے روشنی پڑتی ہے۔

(باقی)

اُردو زبان کی ایک پرشکوہ کتاب

تمدنِ عرب

جو مدتوں سے نایاب تھی پہلے ایڈیشن ۱۸۹۸ء

کی ہو بہو صفحہ بہ صفحہ جامع خصوصیات کے ساتھ طبع ہو رہی ہے (۱۴۵) امریکن بلاک (۶۵۱) صفحے اعلیٰ کاغذ
نفیس چھپائی بہترین سنہری جلد فرانس کے مایۂ ناز مورخ ڈاکٹر گستاولی بان کی اصل کتاب کا ترجمہ

مولوی سید علی بلگرامی مرحوم کا بے مثل علمی کارنامہ

جس کی پچاس روپیہ قیمت تھی مگر ایک سو روپیہ میں بھی نہیں مل سکتی تھی

اعلیٰحضرت فرمانروائے دکن (مدظلہ) کے

جشن سیمین کی شادمانی میں غرۂ ذی حجہ ۱۳۵۴ھ تک شائع ہو جائے گی

پیشگی رعایتی قیمت بیس روپے بعد طبع پچیس روپے

جامعہ عثمانیہ کی جملہ مطبوعات ہر قسم کی نادرۂ روزگار کتابوں کے لیے

سید عبد القادر

پبلشر گورنمنٹ ایجوکیشنل پبلشرز و پروپرائٹر اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن کا پتہ یاد رکھیں